حضرت علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرس اعلیٰحضرت ۱۴۲۸ھ کے مبارک موقع پر عاشقانِ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کیلئے تحفہ

سیرتِ مجدّد دین و ملّت

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز

مؤلف

حضرت علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

رضوی فاؤنڈیشن پاکستان — ادارہ معارفِ نعمانیہ شادباغ لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت ۱۴۴

بفیضانِ کرم:۔ شیخ السلام والمسلمین نبیرۂ اعلیٰحضرت جانشین مفتیٔ اعظم حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم العالیہ

نام کتاب:۔ سیرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز

مصنف:۔ حضرت علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت:۔ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ / مارچ 2007ء

تعداد:۔ 1100

شرف اشاعت:۔ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور/ رضوی فاؤنڈیشن پاکستان

ہدیہ:۔ دعائے خیر بحق معاونین

نوٹ:۔ بیرون جات کے شائقین مطالعہ 18 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرما کر طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ

رضوی فاؤنڈیشن پاکستان — ادارہ معارفِ نعمانیہ شادباغ لاہور پاکستان
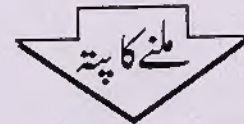
323 مرکزی جامع مسجد حنفیہ غوثیہ شادباغ لاہور E-mail: rizvifoundation@hotmail.com

حیاتِ مجدّد

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات

تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

انقلاب ۱۸۵۷ء سے ایک سال قبل، ۱۰ ارشوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ ارجون ۱۸۵۶ء کو یہ اسلامی انقلاب کا بیباک نقیب، محافظِ اسلام، فقیہہ اعظم، نابغۂ عصر، یگانۂ روزگار، سرمایۂ افتخار، مسلمانوں کا یاور، علمائے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اسلاف کی مقدس یادگار، سنیت کا علمبردار اور مجددِ دین وملت بریلی شہر کے محلّہ سوداگراں میں مولانا نقی علی خاں (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ابن مولانا رضا علی خاں (المتوفی ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) کے علمی گھرانے میں پیدا ہُوا۔ پیدائشی نام "محمّد" تاریخی "المختار" ۱۲۷۲ھ رکھا گیا۔ جدِّ امجد مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ آپ کو احمد رضا خاں کہا کرتے تھے لیکن سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ سچا غلام فخریہ اپنے اِس نام سے پہلے عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کرکے یُوں لکھا کرتا تھا: عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان"۔ اسی لیے تحدیثِ نعمت کے طور پر کہا ہے: ؎

خوف نہ رکھ رضا ذرا، تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ

تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ مقدسہ کا خاکہ دیکھنا ہو، تو اُس آیہ کریمہ کے معانی ومطالب میں غور کرلینا کافی ہے جو خامۂ قدرت نے اپنے اِس بندے کی تاریخِ ولادت کے لیے اُس کی زبان پر جاری فرمائی تھی۔ وہ الہامی تاریخ یہ ہے:

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ۔ ۱۲۷۲

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآنِ پاک ناظرہ پڑھ لیا تھا، چھ سال کی عمر میں منبر پر بیٹھ کر مجمع عام کے سامنے میلاد شریف پڑھا، آٹھ سال کے ہوئے تو "ہدایۃ النحو" کی

عربی میں شرح لکھ دی اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں ۱۴ ر شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء کو تمام علومِ دینیہ عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کر کے سندِ فراغ حاصل کی۔ اُسی روز رضاعت کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب لکھ کر اپنے والدِ محترم، مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح پیش کیا۔ جواب بالکل درست تھا۔ والد ماجد نے اُسی روز سے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی اور خود اِس بارِ گراں سے سبکدوش ہو کر باقی عمر یادِ الٰہی میں بسر کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے پائی، اکثر علومِ دینیہ، عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی، ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) سے حاصل کیے۔ بعض علوم کی تکمیل مولانا عبد العلی رام پوری، مرشدِ گرامی شاہ آلِ رسول مارہروی (المتوفی، ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) اور شاہ ابو الحسین نوری مارہروی (المتوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) سے کی۔ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۵ء میں آپ کی شادی خانہ آبادی ہُوئی۔ یہ مبارک تقریب شرعی طریقے پر انتہائی سادگی سے انجام پائی اور کوئی لایعنی رسم اِس موقع پر طرفین سے ادا نہ کی گئی۔

۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ہمراہ، مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سیّد آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت ہُوئے۔ ساتھ ہی چاروں سلاسل کی اجازت اور خرقۂ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ اہلِ نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت پیر و مرشد اِس بیعت کے چند روز پہلے سے یُوں نظر آتے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں اور جب یہ دونوں حضرات حاضرِ خدمت ہُوئے تو بشاش ہو کر فرمایا "تشریف لائیے، آپ کا تو بڑا انتظار تھا۔" (واللہ اعلم بالصواب)۔ مرشدِ گرامی کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے اِس موقع پر انتہائی مسرّت کا اظہار فرمایا اور اُس کی وضاحت بایں الفاظ فرمائی:

"آج وہ فکر میرے دل سے دُور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پُوچھے گا کہ اے آلِ رسول! تُو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو مَیں عرض کروں گا کہ الٰہی! میں تیرے لیے "احمد رضا" لایا ہوں۔"[1]

امام احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں اپنے والدین کریمین کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا اور مدنی سرکار، کونین کے تاجدار، احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی، جس سے دِلوں کو نور، آنکھوں کو سرور اور ایمان کو جِلا ملتی ہے۔ سب کا دیکھنا حقیقت میں ایک جیسا نہیں ہوتا۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام نے دیکھا اور جھٹلانے والوں نے بھی دیکھا حضرت ابوبکر صدیق نے دیکھا اور ابُو جہل نے بھی، کیا اِن سب کا دیکھنا ایک جیسا تھا؟ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے آپ کو جیسا جانا اور مانا، بس ویسا ہی دیکھا۔ آپ ایک شفاف ترین آئینہ ہیں۔ جیسا کسی کا آپ کے متعلق عقیدہ ہے ویسے ہی آپ اُسے اِس آئینے میں نظر آ جاتے ہیں۔ اِس عارفِ کامل اور اہلِ نظر نے آپ کو پہچان لیا تھا اور مسلمانوں کو بھی درس دیتے رہے تھے کہ وہ بھی اِسی نظر سے مولائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور کو دیکھا کریں یعنی: ؎

حاجیو آؤ! شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

اِس موقع پر ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہُوا، جس کا مولوی رحمٰن علی مرحوم نے یُوں تذکرہ کیا ہے:

"ایک دن نمازِ مغرب مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں ادا کی۔ نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے اِن کا ہاتھ پکڑ کر اِن کو اپنے گھر لے گئے، دیر تک اِن کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا: "انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین" (بیشک مَیں اِس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہُوں) اِس کے بعد صحاح ستّہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستِ خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ سندِ مذکور میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک گیارہ واسطے ہیں۔"[1]

اِسی موقع کے متعلق موصوف نے مزید یُوں بھی لکھا ہے:

"مکّہ معظّمہ میں شیخ جمل اللیل موصوف کے ایماء سے رسالہ جوہرہ مضیہ کی شرح

---

[1] محمد ایوب قادری: تذکرہ علمائے ہند اردو، ص ۹۹

جومناسک حج میں شافعی مذہب کے مطابق ہے ، دُو دن میں لکھی۔ یہ رسالہ شیخ حسین بن صالح کی تصنیف ہے ۔ مولوی احمد رضا خاں نے اِس (شرح) کا نام "النیرۃ الوضیئۃ فی شرح الجوہرۃ المضیۃ" لکھ کر شیخ کی خدمت میں لے گئے ۔ شیخ نے ان کے حق میں تحسین و آفرین فرمائی . . . . . رات کو یعنی نمازِ عشاء کے بعد مولوی احمد رضا خاں مسجد خیف میں تنہا ٹھہر گئے اور وہاں مغفرت کی بشارت پائی ۔ اللہ اِن کو سلامت رکھے ۔"[1]

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں آپ دوسری دفعہ حجِ بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہُوئے ۔ حرمین شریفین کی یہ حاضری غیبی تھی کیونکہ اِس میں حق و باطل کا تاریخی فیصلہ ہونا تھا ۔ یہ حاضری اِس لیے مخصوص تھی کہ جن لصوصِ دین کی آپ تردید کرتے رہے تھے اور وُہ کسی طرح باز نہ آئے ، تو مسلمانوں کو اُن کے شر سے محفوظ رکھنے یعنی خیر خواہیِ اسلام و مسلمین کی خاطر ، ۱۳۲۰ء میں المعتمد المستند کے اندر حکمِ شرع بیان کرتے ہُوئے اُن علمائے سوء کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا ، قسامِ ازل کو یہ منظور تھا کہ آپ کے اُس فتوے کی تصدیق و تائید دربارِ رسالت یعنی دیارِ رسول سے ہوجائے ۔ چنانچہ علمائے حرمین شریفین نے آپ کے فتوے کی تصدیق و تائید کی ، اُس کے متعلق تقریظیں لکھیں ، جن کے مجموعے کا تاریخی نام "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین" ہے ۔

اِسی مبارک موقع پر "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" جیسی تالیف منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہُوئی ۔ ہندی اور نجدی وہابیوں نے شریفِ مکّہ کے دربار میں مسئلہ علم غیب پیش کیا ہوا تھا ۔ مفتیِ احناف شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) کی خدمت میں وہابیہ کی جانب سے پانچ سوال پیش ہوچکے تھے ۔ مفتیِ احناف کا درجہ اُن دنوں شریف کے بعد دُوسرا شمار ہوتا تھا ۔ موصوف نے وُہ سوال اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیے ۔ آپ نے

---

[1] موصوف کا وصال ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں ہُوا ۔

[2] محمد ایوب قادری : تذکرہ علمائے ہند اردو ، ص

بخار کی حالت میں مختلف نشستوں کے اندر ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں "الدولۃ المکیۃ" کے نام سے بغیر کتابوں کی مدد کے وہ جواب لکھا کہ علمائے مکّہ انگشت بدنداں ہو گئے اور منکرینِ شانِ رسالت کا تو ایسا مُنہ بند ہُوا کہ ساکت و مبہوت ہوکر رہ گئے ۔ یہ مایۂ ناز علمی شہکار اور تائیدِ ایزدی و نظرِ عنایتِ مصطفوی کا زندہ ثبوت ستّر سال سے لاجواب ہے اور قیامت تک لاجواب ہی رہے گا ، کیونکہ "الاسلام یعلو ولا یعلیٰ" ۔ اسلام غالب ہی رہتا ہے یہ مغلوب ہونے کے لیے نہیں ہے ۔

یہ رسالہ شریفِ مکّہ کے دربار میں ، منکرین و معاندین کے رُوبرو ، مولانا شیخ صالح کمال قاضیِ مکّہ مکرمہ نے پڑھ کر سنایا ۔ اُس وقت منکرینِ شانِ رسالت کی جو رُوسیاہی ہُوئی وُہ ایک تاریخی واقعہ ہے ۔ علمائے مکّہ مکرمہ اور اُن کے بعد علمائے مدینہ منورہ اور اُن کے بعد دیگر بلاد و امصار کے علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اِس رسالے پر دھوم دھام سے سالہا سال تک تقریظیں لکھیں اور ارسال فرمائیں ۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کو عظیم و جلیل خطابات سے نوازا اور حرمین طیبین کے علمائے کرام نے جو پُورے عالمِ اسلام کے لیے قابلِ تعظیم و لائقِ احترام ہیں ، آپ کا عدیم النظیر اعزاز و اکرام کیا ۔ آپ کو نادرِ روزگار ، سرمایۂ افتخار ، سرتاج العلماء ، فقیہہ اعظم ، محققِ یگانہ ، محافظِ شانِ رسالت ، حجتِ الٰہی کی تیغِ برّاں ، امام اہلسنّت اور مجددِ دین وملّت قرار دیا ۔ آپ سے سندیں اور اجازتیں لیں ۔

یہی وُہ مبارک موقع تھا جب رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" کی تصنیف عمل میں آئی ۔ نوٹ اُن دنوں ایک نئی ایجاد تھی ۔ عالمِ اسلام کے علمائے کرام و مفتیانِ عظام اِس کے بارے میں تسلی بخش شرعی حکم معلوم نہ کر پائے تھے ۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کی محققانہ عظمت اور علمی وسعت علمائے حرمین اور خصوصاً علمائے مکہ مکرمہ پر واضح ہوچکی تھی ۔ موقع غنیمت جان کر مکّہ معظمہ کے دو عالموں نے نوٹ کے متعلق بارہ سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیے ۔ اُن سوالوں کے جو محققانہ جوابات تحریر کیے گئے وُہ ایک رسالے کی صورت میں "کفل الفقیہ" کے نام سے جمع کیے گئے ۔ علمائے حرمین نے اِس رسالے کی متعدد نقلیں کیں اور مفتیانِ عظام نے اپنے [illegible] صحیح حکم شرع

معلوم کر کے پُورے عالم اسلام کو اِس پریشانی سے نجات دینے والا صرف امام احمد رضا خاں بریلوی ہے، آپ سے پہلے دنیا کے کسی عالِم سے نوٹ کا صحیح حکم اور اِس کی شرعی حیثیت بیان نہیں کی جا سکی تھی۔ اِس سلسلے میں دیگر علماء کے ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء سے پہلے کے فتوے دیکھ کر ہمارے بیان کی خود تصدیق کی جا سکتی ہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی سچے عاشقِ رسول اور عشقِ رسولِ ہاشمی کی ایک پگھلتی ہوئی شمع تھے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء سے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء تک نصف صدی سے زیادہ عرصہ آپ مسلمانانِ عالم کو محبتِ رسول کے جام پلاتے رہے کیونکہ اسلام کی جان اور رُوحِ ایمان یہی ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نور اللہ مرقدہٗ کا یہ مشن اُن کی تصانیف کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ اُن کی قلمی نگارشات قیامت تک مسلمانوں کو مست جامِ بادۂ الفت اور ساقیٔ کوثر و تسنیم کا والا و شیدا بناتی رہیں گی۔ اعلٰحضرت کا عاشقِ رسول ہونا اُن کے مخالفین کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ ایک موقع پر آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا تھا: "خدا کی قسم، اگر میرے دل کو چیر کر دو ٹکڑے کر دو، تو ایک پہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دُوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہُوا پاؤ گے۔" اِسی لیے آپ بارگاہِ رسالت میں یُوں اپنی تمنّا پیش کیا کرتے تھے: ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ، نہ بس ایک جاں ، دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا ، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

اِس نابغۂ عصر اور عدیم النظیر مصنف نے تقریباً پچاس علوم و فنون پر مشتمل تصانیف چھوڑیں، جن کا شمار ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ کثیر التصانیف اور اتنے علوم کا جامع ہونے کے لحاظ سے یقیناً آپ کا شمار ملّتِ اسلامیہ کی منفرد اور ممتاز ہستیوں میں ہے۔ بعض علوم تو وُہ ہیں جن کے موجد ہونے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ کئی ایسے علم بھی ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے اور اُن میں کسی کامل کا پایا جانا تو دُور کی بات ہے، اُن کی ادنیٰ معلومات رکھنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ کے جامع العلوم ہونے پر مخالفین و معاندین کو بھی ناز تھا۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور تصوّف وغیرہ کی ڈیڑھ سَو کے لگ بھگ مشہور و متداول کتابوں پر حواشی لکھے تھے، جو کسی طرح مستقل تصانیف سے

کم نہیں۔ لیکن وائے ہماری بے حسّی۔ علّامہ اقبال مرحوم کا دِل اکابر کے جواہر پاروں، علمی شہکاروں کو یورپ کی لائبریریوں میں دیکھ کر سی پارہ ہونے لگ جاتا تھا لیکن دنیائے اسلام کے اِس مایۂ ناز محقق کے کتنے ہی علمی جواہر و ذخائر بریلی شریف میں کیڑوں کی خوراک بن رہے ہیں۔ کیا یہ تاریخی المیہ، علم دوست حضرات کو خُون کے آنسو نہ رُلاتا ہوگا؟ کیا یہ موجودہ مصنفین اپنی تخلیقات کے ذریعے ہمیں اِس محققِ یگانہ کی تحقیقات سے بے نیاز کر سکتے ہیں؟ اِس سلسلے میں علمائے اہلسنت کا جواب خواہ کچھ بھی ہو، لیکن اِس ناچیز کا سوال علّامہ اقبال مرحوم کے لفظوں میں کچھ اِس طرح ہے: ؎

ہُو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اُٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

فاضل بریلوی قدس سرّہٗ ایک بلند پایہ مفسّر، مایۂ ناز محدّث، نادرِ روزگار متکلم اور عدیم النظیر فقیہہ تھے۔ اِس پر طرّہ یہ کہ کتنے ہی دیگر علوم و فنون میں بھی آپ کو درجۂ امامت حاصل تھا لیکن سیّدنا امام اعظم ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے اِس سچے وارث نے بھی امام المسلمین کی طرح فقہ کو اپنا خصوصی میدان قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فتاوی رضویہ شریف آپ کا مایۂ ناز علمی شہکار ہے۔ اِس کا پُورا نام بھی اِس فنا فی الرسول ہستی نے وہی تجویز کیا جو حقیقت کا آئینہ دار ہے یعنی "العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویۃ"۔ یہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد بہازی سائز کے تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہُوئی ہے۔ بعض فتوے تحقیق و تدقیق کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ آپ کے وُہ معاصر جنھیں فقاہت میں حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا، جب اِس امامِ اہلسنّت کے فتوے اُن حضرات کی نظروں سے گزرے تو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے مقابلے میں اُنھوں نے خود کو طفلِ مکتب شمار کیا اور آپ سے کسبِ فیض کو غنیمت جانا۔ بعض مسائل پر دادِ تحقیق دیتے ہُوئے جب آپ نے بارہ سَو سالہ فقہی ذخیروں کو کھنگال ڈالا، امام الائمہ قدس سرّہٗ سے لے کر علّامہ شامی علیہ الرحمہ تک تحقیق کو پہنچایا، ہر دَور میں اُسے جن لفظوں میں بیان کیا گیا، کسی سے کوئی کمی یا بیشی ہُوئی تو [illegible] کیوں ہوا؟ کون سا موقف اقرب الی الحق ہے اور

مدلل دلائل کے تحت ۔ غرضیکہ اِس انداز سے میدانِ فقاہت میں دادِ تحقیق دیتے چلے گئے کہ دنیائے اسلام کے مایۂ نازعلمی فرزندوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور آسمانِ فقاہت کے شمس وقمر سمجھے جانے والے حضرات آپ کی تحقیقاتِ جلیلہ کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہی رہ جاتے تھے۔ اِسی لیے مکہ مکرمہ کے جلیل القدر عالمِ دین ، مولانا سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) نے فرمایا تھا اور بجا فرمایا تھا کہ اگر امام ابوحنیفہ اِس ہستی کو دیکھتے تو اپنے اصحاب میں شامل فرما لیتے ۔ آپ سے اختلاف رکھنے والے تو بے شمار ہیں لیکن شاید ایسا ایک بھی معاند اہلِ علم میں سے نہ مل سکے جو آپ کی عدیم النظیر فقاہت کا منکر ہو ۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر بے اختیار کہنا پڑ جاتا ہے کہ :

ہے فتاوٰی رضویہ تیرے قلم کا شاہکار
سر بسر فضلِ خدا ، نبوی عطا ، پائندہ باد

آپ کا دُوسرا علمی شہکار " کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن " ہے ۔ یُوں تو قرآنِ کریم کا کتنے ہی علماء نے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جن میں سے مولوی محمود الحسن دیوبندی (المتوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)، مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)، مولوی فتح محمد خاں جالندھری ، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور جناب ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم پاک و ہند میں آجکل بڑی آب و تاب سے شائع ہو رہے ہیں اور اِن حضرات کو کلامِ الٰہی کی ترجمانی کے علمبردار منوانے کی بھرپور سعی کی جاتی رہی ہے لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اِن حضرات نے اپنے اپنے مخصوص خیالات کو ترجمے کی آڑ میں قرآن کریم سے ثابت کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا ۔ مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت کو قرآنی خدمت کے نام پر اپنے اپنے دھڑے کی طرف کھینچنے اور اپنا معتقد بنانے کی ایک چکنی چپڑی جسارت ہے ۔ ہماری دوسری کتاب متعلم کنزالایمان میں تحت اِن اُردو ترجموں کی حقیقت پر مدلّل بحث موجود ہے ۔ انصاف پسند حضرات اُس بیان کو پڑھ کر اِنشاء اللہ تعالیٰ یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ قرآنِ کریم کی ترجمانی کا اگر اُردو میں کسی نے حق ادا کیا ہے تو وہ " کنزالایمان " ہے اور بے ساختہ یُوں پکار اُٹھیں گے کہ :

آپ کا تیسرا شہکار " حدائقِ بخشش " ہے ۔ یہ آپ کا نعتیہ دیوان ہے ۔ یعنی اِس سچے عاشق ، فنافی الرسول نے اپنے محبوب کے اوصاف کلامِ الٰہی میں دیکھے ، اُنھیں اپنے لفظوں میں بیان کرکے اپنے قلبِ مضطر کو تسکین دی ، مسلمانوں کو سکون بخش ، راحت افزا نسخہ بتایا ۔ محبوب کی صفت وثنا بیان کرتے وقت قلب کا اضطراب ، جگر کا سوز ، آنکھوں کے آنسو اور سینے کی آہیں بھی الفاظ کے جسم میں پیوست کرکے پھر بلبلِ باغِ مدینہ بن کر چہچہایا ، اُس نے اپنے اِن پیارے پیارے اور ایمان افروز نغموں سے اہلِ اسلام کے قلوب کو گرمایا ، اُنھیں ساقیِ کوثر و تسنیم کا شیدائی بنایا اور لصوصِ دین کے نرغے سے نکال کر اپنے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ ، سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر جھکا یا کیونکہ :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باُو نرسیدی تمام بُولہبی ست

جس وقت برصغیر پاک و ہند کی فضاؤں میں گاندھی کا طوطی بول رہا تھا اور کتنے ہی صاحبانِ جبّہ ودستار بھی اُس کے ہاتھوں پر بیعت کرکے دینِ مصطفوی پر آزادی اور سوراج کو ترجیح دے رہے تھے ، ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کرکے اسلام وکفر اور بُت شکن و بُت پرست کا فرق مٹایا جا رہا تھا ، اکبری دَور کی یاد تازہ کی جارہی تھی ، اُس وقت متحدہ قومیت کے فتنے کی مخالفت کرنے والے اور دو قومی نظریے کا عَلَم بلند رکھنے والے ، یہی امام احمد رضا خاں بریلوی تھے یا آپ کے رفقائے کار ۔ اُن دنوں محمد علی جوہر ، محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال مرحوم جیسے بیدار مغز لیڈر بھی ہندو مسلم اتحاد کی پُر زور حمایت کر رہے تھے ، اُس نازک وقت میں حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کی طرح دو قومی نظریے کا قلندرانہ نعرہ فاضل بریلوی ہی بلند کر رہے تھے اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی کا فریضہ ادا کرکے اُنھیں ہندؤوں میں مدغم ہونے سے بچا رہے تھے ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں آپ نے " المحجۃ المؤتمنہ " کتاب لکھ کر گاندھوی علماء کے سارے مزعومہ دلائل کے تارپود بکھیر کر گاندھویت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ۔ اعلیٰحضرت

بے اثر بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہی حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا خاں بریلوی والا "دو قومی نظریہ" ہے جس کی بنا پر پاکستان کا وجود اور قیام عمل میں آیا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کو علمِ ریاضی میں کہاں تک کمال حاصل تھا اور یہ علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اِن سوالات کے سلسلے میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جس میں جملہ امور کا شافی جواب ہے:

"ایک مرتبہ سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں اِس مضمون کا خط لکھا کہ: "ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب جو علمِ ریاضی میں جرمن، انگلینڈ وغیرہ ممالک کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے ہیں، عرصہ سے حضور کی ملاقات کے مشتاق ہیں، پھر چونکہ وُہ ایک جینٹل مین ہیں، اِس لیے آپ کی خدمت میں آتے ہُوئے جھجک محسوس کرتے ہیں لیکن اب میرے کہنے اور اپنے اشتیاقِ ملاقات کے سبب حاضر ہونے کے لیے آمادہ ہو چکے ہیں، لہٰذا اگر وُہ پہنچیں تو اُنھیں باریابی کا موقع دیا جائے۔"

اعلیٰحضرت نے حضرت مولانا کو جواب بھیجا کہ وہ بلا تکلّف تشریف لے آئیں۔ چنانچہ دو چار روز کے بعد ڈاکٹر سر ضیاءُ الدین بریلی پہنچ کر اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں حاضر ہُوئے۔ . . . . نماز کے بعد دورانِ گفتگو میں اعلیٰحضرت نے ایک قلمی رسالہ پیش کیا، جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت و استعجاب میں ہو گئے اور بولے کہ مَیں نے اِس علم کو حاصل کرنے کے لیے بارہا غیر ممالک کے سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہُوئیں۔ مَیں تو اپنے آپ کو اِس وقت بالکل طفلِ مکتب سمجھ رہا ہُوں، مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ اِس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟

اعلیٰحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے چار قاعدے صرف اِس لیے سیکھ لیے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں اُن کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اِس میں اپنا وقت کیوں صرف

کرتے ہو؟ مصطفیٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔[1]

اِسی علمِ ریاضی کے متعلق ایک واقعہ اور پیشِ خدمت ہے، جس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کسی پر حبیبِ پروردگار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصی نظرِ کرم ہو جائے تو اُسے کِس کِس طرح نوازا اور نکھارا جاتا ہے۔ علّامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ یُوں رقمطراز ہیں:

"مولانا محمد حسین صاحب میرٹھی بانی طلسمی پریس بیان کرتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر، جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم پائی تھی اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا اور ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے تھے، اتفاق سے اُن کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا، ہر چند کوشش کی مگر وُہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحبِ حیثیت تھے اور علم کے شائق، اِس لیے قصد کیا کہ جرمن جا کر اُس کو حل کریں . . . . . وائس چانسلر صاحب نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ پُوچھنے آیا ہُوں۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا: پُوچھیے۔ وائس چانسلر صاحب نے کہا: وُہ ایسی بات نہیں ہے جسے مَیں اتنی جلدی عرض کر دُوں۔ اعلیٰحضرت نے بتایا: آخر کچھ تو فرمایئے۔ غرض وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کر دیا۔ اعلیٰحضرت نے سُنتے ہی فرمایا: اِس کا جواب یہ ہے۔ یہ سُن کر اُن کو حیرت ہو گئی اور گویا آنکھ سے پردہ اُٹھ گیا۔ بے اختیار بول اُٹھے کہ مَیں سُنا کرتا تھا کہ علمِ لدنّی بھی کوئی چیز ہے، آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں اِس مسئلہ کے حل کے لیے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے پروفیسر جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔"[2]

؎ میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں، دُر بے بہا دیئے ہیں

---

[1] بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کانپور، ص ۷۲، ۷۳

[2] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰحضرت، ص ۱۵۳

امام احمد رضا خاں بریلوی کی فنِ تکسیر میں مہارت کا اندازہ کرنے کی خاطر یہ واقعہ اور وضاحت ملاحظہ ہو:

"اعلحضرت کے شاگرد حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو ایک شاہ صاحب ملے، جن کا خیال تھا کہ فنِ تکسیر کا علم صرف مجھ کو ہے۔ دورانِ گفتگو میں مولانا بہاری نے اُن سے دریافت کیا کہ جناب نقشِ مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؛ شاہ صاحب مذکور نے بڑے فخریہ انداز میں جواب دیا کہ سولہ طریقے سے۔ پھر اُنھوں نے مولانا بہاری سے پُوچھا کہ آپ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؛ مولانا نے بتایا کہ الحمدُ للہ، میں نقشِ مربع کو گیارہ سو باون طریقے سے بھرتا ہوں۔ شاہ صاحب سُن کر محوِ حیرت ہو گئے اور پُوچھا کہ مولانا! آپ نے فنِ تکسیر کس سے سیکھا ہے؛ مولانا بہاری نے فرمایا؛ حضور پُر نور اعلحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ اعلحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقشِ مربع کتنے طریقوں سے بھرتے تھے؟ مولانا بہاری نے جواب دیا کہ دو ہزار تین سو طریقے سے۔ پھر تو شاہ صاحب نے ہمہ دانی کا کیڑا دماغ سے نکال باہر کیا۔" [1]

فنِ توقیت کی مہارت کے سلسلے میں علّامہ بدر الدین احمد صاحب یُوں رقمطراز ہیں:

"فنِ توقیت میں اعلحضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سُورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا، اِس کو بلا تکلّف معلوم کر لیتے۔ ستاروں کی معرفت اور اُن کی چال کی شناخت پر اِس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا اور دِن میں سُورج دیکھ کر گھڑی مِلا لیا کرتے اور وقت بالکل صحیح ہوتا، ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔" [2]

۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو پٹنہ کے انگریزی اخبار "ایکسپریس" میں ایک امریکی سائنسدان، پروفیسر البرٹ کی ایک پیشگوئی شائع ہُوئی۔ موصوف نے علمِ نجوم و ہیئت کے اُس پر متعدد دلائل قائم

[1] بدر الدین احمد، مولانا، سوانح اعلحضرت، ص ۸۰

[2] ایضاً، ص

کر کے اُسے ایک حقیقت منوانے کی پُوری کوشش کی۔ اُس پیشگوئی کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو فلاں فلاں سیارے اور سُورج قِران میں ہوں گے۔ سیارے اپنی کشش سے سورج کو زخمی کر دیں گے جس کے باعث اُس روز سخت طوفان اور زلزلے آئیں گے اور زمین ایسی ڈانواں ڈول ہو گی کہ کئی ہفتوں میں اپنی اصلی حالت پر آنے کے قابل ہو سکے گی۔ اِس ہولناک پیشگوئی نے دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خاص طور پر ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نے پروفیسر البرٹ کے دلائل کا جائزہ لیا۔ موصوف کے دلائل کو محض ایک عقلی ڈھکوسلا ثابت کیا۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں البرٹ کے دعاوی کا ردّ کیا، علمِ نجوم، ہیئت اور زیجات کے تحت موصوف کے بیانات و مزعومہ دلائل کو تارِ عنکبوت سے کمزور ثابت کر دکھایا۔ آپ کا یہ حیرت انگیز تجزیہ مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہُوا تاکہ متحدہ ہندوستان کے مسلمان اُس پیشگوئی پر یقین کر کے اپنے خیالات کو متزلزل نہ کر بیٹھیں۔ آپ کی اُس حیرت انگیز تحریر کا خلاصہ حیاتِ اعلحضرت میں صفحہ ۹۵ تا ۹۷ اور سوانح اعلحضرت میں صفحہ ۷۵ تا ۹۷ موجود ہے۔ اِن علوم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات مذکورہ کتب کی طرف رجوع کر کے بعض دلائل ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کو اِتنے علوم و فنون میں جو کمال حاصل ہُوا، اُس کا بہت کم حصّہ کسبی اور اکثر و بیشتر وہبی ہے۔ یہ امر ہر اُس ذی علم سے پوشیدہ نہیں جس کی فاضل بریلوی کے حالاتِ زندگی اور آپ کی تصانیف پر نظر ہے۔ جملہ بزرگانِ دین کے حالات اِس امر کی واضح شہادت ہیں کہ جس طرح وُہ حضرات دینِ متین کی حمایت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خدمات سرانجام دینے کے لیے کھڑے ہُوئے تو تائیدِ ربّانی اور عنایتِ مصطفوی نے ہمیشہ اُن کی دستگیری اور سرپرستی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن بزرگوں نے اِس راہ کی دشوار گزار ترین گھاٹیوں اور سخت سے سخت مراحل کو پُورے عزم و استقلال سے خندہ پیشانی کے ساتھ عبور کیا اور منزلِ مقصود پر پہنچنے سے اُنھیں کوئی دشواری نہ روک سکی۔ آپ کے زمانہ میں فرقہ بازی کا جس طرح فتنہ اُٹھا، لصوصِ دین نے اِصلاح کے نام پر جس طرح بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کیا، کتنے ہی صاحبانِ جبّہ و دستار نے اہلِ اسلام کو ایمان سے کورے رکھنے کی

مہم چلائی، اُن سب کے مقابلے میں آپ کا میدان میں کُودنا، چومکھی لڑائی لڑنا، عظمتِ خداوندی و شانِ مصطفوی کا دفاع کرنا، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں جملہ مبتدعین کو عاجز کر دکھانا، یہ تائیدِ ربانی اور عنایتِ مصطفوی ہی کا کرشمہ ہے۔

آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقاید و نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا نیز علمائے حق اور علمائے سُؤ میں پہچان کرائی۔ ایسے مصلحین کے تعقب میں آپ ہمیشہ سرگرمِ عمل رہے جو نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے تھے اور بات بات پہ مسلمانوں کو مشرک، کافر اور بدعتی ٹھہرانے کو دین کی خدمت سمجھتے تھے۔ فاضل بریلوی نے ایسے حضرات کے جملہ مزعومہ دلائل کے تار پود بکھیر کر رکھ دئیے اور مجددانہ شان کے ساتھ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔

خالقِ کائنات کی صفات کو جب علمائے سؤ نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ناپنا شروع کر دیا، خود ساختہ توحید کی تبلیغ کرنے لگے، سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ کی ایسی حدود متعین کرنے لگ گئے جس کی کوئی مسلمان ہرگز جسارت نہیں کر سکتا۔ اِن حالات سے مجبور ہو کر آپ نے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کا عَلم بلند کیا تھا۔ ایسا کرنے والوں کو سمجھایا بجھایا، خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا یاد دلایا، جب وُہ کسی طرح باز نہ آئے اور برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر اپنی مخصوص ڈگر پر ہی چلتے رہے تو آپ بھی اسلام اور مسلمین کی خیر خواہی میں آخری وقت تک اُن کا ردِّ بلیغ کرتے رہے۔ یہی آپ کا وہ جرم ہے جس کی پاداش میں عمر بھر سبّ و شتم کا نشانہ بنتے رہے اور آج تک اُن مبتدعین کی معنوی ذریت آپ کے خلاف اتنا زہر اُگل رہی ہے، جس کا عشرِ عشیر بھی اِن بانکے موحّدین کو کافروں اور مشرکوں کے خلاف بولنا نصیب نہیں ہُوا۔

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، اسلامی عقاید و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علما بھی اِس عبقریِ اسلام اور نابغۂ عصر کی علمی عظمت و جلالت کو برملا تسلیم کر لیتے لیکن دین کے محافظوں نے تحسین و آفرین کی خاطر ایسی سودا بازی کبھی نہیں کی۔ آپ عظمتِ خداوندی و ناموسِ مصطفوی کے نگہبان اور

اسلام کے پاسبان تھے، اِسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر، ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی بیدار جماعت میں اگر اِس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وُہ لوگ اُس کے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتے بلکہ پُوری دنیا کو اُس کے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پہ مجبور کر دیتے لیکن مسلمانانِ اہلسنت و جماعت اور خصوصاً علمائے اہلسنّت کی بیداری کی داد کون دے سکتا ہے جبکہ اِس نابغۂ عصر کے علمی کارناموں اور تحقیقی جواہر ریزوں کو کماحقہٗ محفوظ بھی نہیں کیا اور نہ یگانوں اور بیگانوں کو اپنے اِس محسن کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی خاص زحمت ہی گوارا فرمائی ہے۔ اِس کے باوجود بھی اگر اعلیٰحضرت کا نام زندہ ہے تو صرف اُن کے عظیم اور جاندار علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا نام قیامت تک زندہ و تابندہ رہے گا کیونکہ: ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

وفات سے کئی ماہ پیشتر آپ نے کوہ بھوالی پر ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو اپنے وصال کی تاریخ اِس آیت کریمہ سے نکالی: وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَّ أَكْوَابٍ (۱۳۴۰ھ) یعنی خدام چاندی کے برتن اور آبخورے لے کر (جنت میں) اُن کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اِس شہیدِ محبت نے اپنا مشن پُورا کر کے جمعۃ المبارک کے روز ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو دو بجکر اڑتیس منٹ پر، عین اذانِ جمعہ کے وقت حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کا نغمۂ جانفزا سُن کر داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اِس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھار گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

وصال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے تجہیز و تکفین اور بعض ضروری امور کے متعلق وصایا شریف قلمبند کرائے جو چودہ اہم نکات پر مشتمل ہیں۔ حضرت محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد نے اعلیٰحضرت کے وصال کی خبر سُن کر فرمایا: "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" دیکھا گیا کہ اِس میں (۱۳۴۰ھ) وصال کی تاریخ بھی ہے۔ خود حضرت محدّث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے تاریخِ وفات

"امام الہدیٰ عبد المصطفیٰ احمد رضا" نکالی تھی۔[21]

اعلحضرت علیہ الرحمہ سے فیضیاب ہونیوالے خوش قسمت حضرات کی فہرست تو بڑی طویل ہے[19] ذیل میں آپ کے چند نامور خلفاء کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، خلفِ اکبر (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)
۲۔ مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، خلفِ اصغر مدظلہ العالی (رونق افروز بریلی شریف ہیں)
۳۔ صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی برکاتی مصنّفؔ "بہارِ شریعت" (المتوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)
۴۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی مصنّفؔ "خزائن العرفان" (المتوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)
۵۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری مصنّفؔ "حیاتِ اعلحضرت" (المتوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)
۶۔ محدّثِ اعظم مولانا شاہ احمد اشرف جیلانی کچھوچھوی (المتوفی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)
۷۔ شیخ المحدثین مولانا سیّد دیدار علی الوری، بانی "حزب الاحناف" لاہور (المتوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)
۸۔ مبلّغِ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (المتوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء)
۹۔ حضرت مولانا عبد السّلام جبل پوری (المتوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء)
۱۰۔ سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی (المتوفی ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء)
۱۱۔ مولانا حاجی لعل محمد خاں مدراسی
۱۲۔ مولانا محمد شفیع احمد بیسلپوری
۱۳۔ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی
۱۴۔ مفتیِ سی۔ پی۔ مولانا برہان الحق جبلپوری
۱۵۔ مولانا رحیم بخش آروی شاہ آبادی
۱۶۔ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی
۱۷۔ مولانا محمد شریف سیالکوٹی (کوٹلی لوہاراں)
۱۸۔ مولانا امام الدین سیالکوٹی (کوٹلی لوہاراں)
۱۹۔ مولانا عمر بن ابوبکر کھتری، ساکن شہر پور بندر
۲۰۔ مولانا فتح علی شاہ پنجابی (کھروڑہ سیداں)

۲۱۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری
۲۲۔ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی
۲۳۔ مولانا ضیاءُ الدین احمد مہاجر مدنی مدظلہ العالی
۲۴۔ مولانا ابو البرکات سید احمد شاہ مدظلہ العالی (ناظمِ اعلیٰ حزب الاحناف۔ لاہور)
۲۵۔ مولانا سید علی اکبر شاہ علی پوری
۲۶۔ مولانا سید محمد عزیز غوث (المتوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء)
۲۷۔ مولانا محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں۔
۲۸۔ مولانا سیّد غلام جان، جام جودھپوری
۲۹۔ علّامہ ابو الفیض قلندری علی سہروردی لاہوری (المتوفی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء)
۳۰۔ مولانا احمد حسین امروہوی
۳۱۔ مولانا عمر الدین ہزاروی
۳۲۔ مولانا شاہ محمد حبیب اللہ قادری میرٹھی
۳۳۔ شیخ محمد عبد الحی بن سیّد عبد الکبیر محدّث (المتوفی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء)
۳۴۔ مفتیِ احناف و قاضیِ مکہ مکرمہ، شیخ صالح کمال (المتوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)
۳۵۔ محافظِ کتبِ حرم، سیّد اسمٰعیل بن سید خلیل مکّی (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)
۳۶۔ سید مصطفیٰ بن سید خلیل مکّی (المتوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)
۳۷۔ شیخ عابد بن حسین مفتیِ مالکیہ مکّی
۳۸۔ شیخ علی بن حسین مالکی مکّی
۳۹۔ شیخ عبد اللہ بن شیخ ابی الخیر مرداد
۴۰۔ شیخ ابو حسین مرزوقی
۴۱۔ شیخ مامون البرّی المدنی
۴۲۔ شیخ اسعد دہان
۴۳۔ شیخ عبد الرحمٰن

۴۳۔ شیخ جمال بن محمد الامیر

۴۴۔ شیخ عبداللہ دحلان

۴۵۔ شیخ بکر رفیع

۴۶۔ شیخ حسن العجمی

۴۷۔ شیخ الدلائل سید محمد سعید

۴۸۔ شیخ عمر المحروسی

۴۹۔ شیخ عمر بن حمدان

۵۰۔ شیخ احمد خضراوی مکّی

۵۱۔ شیخ المشائخ احمد بن ابی الخیر مرداد

۵۲۔ سید سالم بن عیدروس

۵۳۔ سید علوی بن حسن

۵۴۔ سید ابوبکر بن سالم

۵۵۔ شیخ محمد بن عثمان دحلان

۵۶۔ شیخ محمد یوسف

۵۷۔ شیخ عبدالقادر کردی (المتوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء)

۵۸۔ شیخ محمد بن سید ابوبکر الرشیدی

۵۹۔ شیخ محمد سعید بن سیّد محمد مغربی

۶۰۔ شیخ عبداللہ فرید (المتوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء)

رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِمْ

؎

وہ بستیاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

سیرتِ مجدّد

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرّہٗ جس طرح اپنے دور میں مرکزِ دائرۂ علوم و فنون تھے۔ اسی طرح مست جامِ بادۂ الفت ہونے میں منفرد اور محبوب پروردگار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیدائیوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا عشقِ رسول ایک جلتی ہوئی شمع ہونا مشہورِ خلائق ہے جس کا معتقدین و مخالفین سب کو اعتراف ہے۔ میدانِ عمل میں محبت کا اظہار چار طرح ہوتا ہے:

۱۔ محبوب کے فراق میں تڑپنا، وصل کو منزلِ مقصود سمجھنا اور اُس کے ذکر و فکر میں مستغرق رہنا۔

۲۔ محبوب کے یاروں اور پیاروں کا دِلی محبت سے ادب و احترام کرنا۔

۳۔ محبوب کے ہر قول و فعل کو محبوب سمجھ کر اپنا دستور العمل بنائے رکھنا۔

۴۔ محبوب کے دشمنوں سے دِلی نفرت رکھنا۔

اعلیٰحضرت قدس سرّہٗ کی سیرت کا مرکز و محور، صرف اور صرف جذبۂ عشقِ رسول تھا۔ اگر مجدد مأتہ حاضرہ کی سیرت کوئی چند لفظوں میں پوچھنا چاہے تو احقر بلا خوفِ تردید باعلی الاعلان کہتا ہے کہ: "اعلیٰحضرت کی سیرت عشقِ رسول کے تقاضوں کا مجموعہ تھی"۔ آپ کی جملہ تصانیف ہمارے اس دعویٰ کے روشن دلائل ہیں اور نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" تو وہ منہ بولتا ثبوت ہے جس کی نظیر چشمِ فلکِ کہن نے کم ہی دیکھی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی والہانہ محبت کے سلسلے میں یہاں بحث کرنا تکرار کا موجب اور باعثِ طوالت ہوگا جبکہ دوسری کتاب کے اندر آپ کے نعتیہ کلام کا نمونہ موجود ہے نیز منصبِ رسالت کے تحت اُس کتاب میں مختلف عنوانات پر آپ کی نگارشات کا خلاصہ پیش کیا جائے گا اِنْ شاء اللہ تعالیٰ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

یاروں اور پیاروں کی کس قدر دلی محبت تھی اور کس درجہ آپ اُن کا ادب و احترام کرتے تھے۔
اِس امر کا بھی ایک عالم شاہد ہے کہ فاضلِ بریلوی جیسا انبیائے کرام و اولیائے عظام کے ننگ و
ناموس کا پاسبان اور تعظیم و توقیر کا علمبردار دوسرا دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ بعض حضرات تو اپنی
دُور بین نگاہوں سے دیکھ کر یہاں تک فرما گئے کہ اگر اِس دورِ پُرفتن میں امام احمد رضا خاں
بریلوی پیدا نہ ہوتے تو مقربینِ بارگاہِ الٰہیہ کے ادب و احترام کو وہابیت کی تند و تیز آندھی
خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر لے جاتی۔ چونکہ اِس سلسلے میں کئی مسائل شاملِ مجموعہ ہیں لہٰذا
زیادہ عرض کرنے کی یہاں حاجت نہیں۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت کے
بارے میں مولانا بدرالدین احمد صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو موصوف کے الفاظ
میں یُوں ہے:

"چھ برس کی عمر میں آپ نے معلوم کر لیا تھا کہ بغداد شریف کدھر ہے، پھر
اُس وقت سے آخر دم تک بغداد شریف کی جانب پاؤں نہیں پھیلائے۔"[1]

اعلیٰحضرت کے نامور شاگرد و خلیفہ حضرت محدث کچھوچھوی سید احمد اشرف جیلانی علیہ الرحمۃ نے
اِس سلسلے میں ایک واقعہ یُوں بیان کیا ہے:

"میں اُس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا، اپنا جواب اعلیٰحضرت
کی نشست کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور! کیا اِس علم کا کوئی حصّہ
عطا نہ ہوگا، جس کا علمائے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا۔ مسکرا کر فرمایا کہ میرے
پاس علم کہاں، جو کسی کو دُوں، یہ تو آپ کے جدِّ امجد سرکارِ غوثیت کا فضل و کرم
ہے اور کچھ نہیں۔

یہ جواب مجھ ننگِ خاندان کے لیے تازیانۂ عبرت بھی تھا کہ ٹوٹنے والے
لوٹ کر خزانہ والے ہوگئے اور میں "پدرم سلطان بود" کے نشہ میں پڑا رہا اور
یہ جواب اِس کا بھی نشان دیتا تھا کہ علمِ راسخ والے مقامِ تواضع میں کیا ہو کر

[1] بدرالدین احمد، مولانا: سوانحِ اعلیٰحضرت، ص ۸۹

اپنے کو کیا کہتے ہیں۔ یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا اور
ہر مرتبہ میں ایسا ہوگیا کہ میرے وجود کے سارے کل پُرزے معطل ہوگئے ہیں۔"[1]
اِسی سلسلے میں حضرت محدث کچھوچھوی ایک دُوسرا واقعہ اور بیان فرماتے ہیں، جو موصوف کے تصرّف
کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:

"دُوسرے دن کارِ افتاء پر (محدث صاحب کو) لگانے سے پہلے، خود گیارہ روپے
کی شیرینی منگائی، اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر، فاتحہ غوثیہ
پڑھ کر، دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا
کہ اچانک اعلیٰحضرت پلنگ سے اُٹھ پڑے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی
کھڑا ہوگیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے۔ لیکن
حیرت بالائے حیرت یہ ہُوئی کہ اعلیٰحضرت زمین پر اُکڑوں بیٹھ گئے۔ سمجھ میں نہ آیا
کہ یہ کیا ہو رہا ہے؛ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا
ایک ذرّہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰحضرت اُس ذرّے کو نوکِ زبان سے اُٹھا
رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہُوئے۔ اِس کو
دیکھ کر سارے حاضرین سرکارِ غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور
فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرّے کے تبرک ہو جانے میں کسی دُوسری
دلیل کی حاجت نہ رہ گئی اور اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں
کچھ نہیں، یہ آپ کے جدِّ امجد کا صدقہ ہے، وہ مجھے خاموش کر دینے کے لیے ہی
نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰحضرت، غوث پاک
کے ہاتھ میں "چوں قلم در دستِ کاتب" تھے۔ جس طرح غوث پاک، سرورِ دو عالم
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں "چوں قلم در دستِ کاتب"
تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسولِ پاک اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے کہ قرآن کریم

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: مجدّدِ اسلام، ص ۱۵۰، ۱۵۱

نے فرمادیا: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى." [1]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد یعنی حضرات ساداتِ کرام کا امام احمد رضا خاں بریلوی کس درجہ ادب و احترام کرتے اور تعظیم و توقیر بجا لاتے، ایسے بے شمار واقعات ہیں۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

"کسی روز ایک سید صاحب نے زنان خانے کے دروازے پر آکر آواز دی: "دلواؤ سید کو"۔ اعلیٰحضرت نے اپنی آمدنی سے اخراجات امورِ دینیہ کے لیے دو سو روپے ماہوار مقرر فرمائے تھے۔ اُس ماہ کی رقم اُسی روز آپ کو ملی تھی۔ سید صاحب کی آواز سُنتے ہی فوراً وہ روپوں والا آفس بکس لے کر دوڑے اور سید صاحب کے سامنے پیش کرکے فرمایا: "حضور! یہ نذرانہ حاضر ہے"۔ سید صاحب کافی دیر تک اِس رقم کو دیکھتے رہے اور پھر ایک چونّی اٹھا کر فرمایا: "بس لے جائیے"۔ اعلیٰحضرت نے خادم سے فرمایا کہ جب اِن سید صاحب کو دیکھو تو فوراً ایک چونّی اِن کی نذر کر دیا کرنا تاکہ انھیں سوال کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔" [2]

میں اِک محتاجِ بے وقعت گدا تیرے سگِ در کا
تری سرکار والا ہے، تیرا دربار عالی ہے

اِسی سلسلے میں ایک دُوسرا ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیے، جو درسِ ادب کا آئینہ ہے:

"ایک دفعہ بعد نمازِ جمعہ اعلیٰحضرت پھاٹک میں تشریف فرما تھے کہ شیخ امام علی قادری رضوی (مالک ہوٹل آتش کریم بمبئی) کے چھوٹے بھائی (مولوی نور محمد صاحب جو اُن دنوں بریلی شریف میں پڑھتے تھے) کے قناعت علی، قناعت علی پکارنے کی آواز آئی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اُنھیں بلوایا اور فرمایا کہ: عزیزم!

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: مجددِ اسلام، مطبوعہ کان پور، ص ۱۶۲

[2] ایضاً: ص ۴۷

سید صاحب کو اِس طرح پکارتے ہو؟ مولوی نور محمد صاحب نے ندامت سے نظریں جُھکالیں۔ آپ نے فرمایا: سادات کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھیے اور جس عالی گھرانے کے یہ افراد ہیں اُس کی عظمت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیے۔ اِس کے بعد حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ سادات کا اِس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قاضی اگر کسی سید پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ میں اِسے سزا دے رہا ہُوں بلکہ یُوں تصوّر کرے کہ شاہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے اُسے دھو رہا ہُوں۔" الخ [1]

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانا نور کا

سادات کے اعزاز و اکرام کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ اور اعلیٰحضرت کا معمول ملاحظہ ہو:

"اعلیٰحضرت کے ہاں دستور تھا کہ میلاد شریف کے موقع پر سید حضرات کو آپ کے حکم سے دوگنا حصّہ ملا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سید محمود جان صاحب کو تقسیم کرنے والے کی غلطی سے اکہرا حصّہ ملا۔ اعلیٰحضرت کو معلوم ہُوا تو فوراً تقسیم کرنے والے کو بُلوایا اور اُس سے ایک خوان شیرینی کا بھروا کر منگوایا، پھر معذرت چاہتے ہُوئے سید صاحب موصوف کی نذر کیا اور تقسیم کرنے والے کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہو کیونکہ ہمارا کیا ہے؟ سب کچھ اِن حضرات کے ہی عالی گھرانے کی بھیک ہے۔" الخ [2]

اِسی لیے تو اعلیٰحضرت قدس سرہٗ بارگاہِ رسالت میں یُوں عرض پرداز ہُوا کرتے تھے:

آسماں خواں، زمیں خواں، زمانہ مہماں
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے؟ تیرا تیرا

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۲۰۴

[2] ایضاً: ص ۲۰۲

اِس دورِ پُرفتن میں جبکہ شانِ رسالت میں لوگ گستاخ اور جری ہو گئے، بعض تو وہابیت کی نحوست کے زیرِ اثر گز گز بھر کی زبان نکال کر منصبِ نبوّت پر اِس انداز سے گفتگو کرتے ہیں کہ سُننے والا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یا الٰہی! کیا یہ ایک اُمّتی کہلانے والے کے الفاظ ہیں؟ کیا اِس نے مسلمان کہلانے کے جُملہ حقوق محفوظ کرا چھوڑے ہیں؟ یہ توحید کے علمبردار ہیں یا توہینِ شانِ رسالت کے ٹھیکیدار؟ اِس کے برعکس امامِ اہلسنت کا معمول ملاحظہ ہو کہ ساداتِ عظام کے بچّوں کا بھی کتنا ادب واحترام ملحوظ رکھا جاتا تھا:

"سیّد ایوّب علی رضوی کا بیان ہے کہ ایک نوعمر سیّد لڑکا اُمورِ خانہ داری میں امداد کے لیے اعلٰحضرت کے گھر ملازم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اعلٰحضرت کو معلوم ہُوا کہ نیا ملازم تو سیّد زادہ ہے۔ آپ نے تمام اہلِ خانہ کو تاکید کی کہ خبردار! اِس سیّد لڑکے سے کوئی کام مطلقاً نہ لیا جائے۔ کیونکہ یہ مخدوم زادہ ہیں، بلکہ اِن کی خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ آئے۔ اِن کی حسبِ منشاء ہر چیز خدمت میں پیش کرتے رہنا، غرضیکہ صاحبزادے کو پُورا پورا آرام پہنچایا جائے۔ تنخواہ جو مقرر کی ہے وُہ حسبِ وعدہ دیتے رہنا لیکن تنخواہ سمجھ کر نہیں بلکہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔" الخ [1]

میں خانہ زادِ کہنہ ہُوں، صورت لکھی ہُوئی
بندوں کنیزوں میں مرے مادر پدر کی ہے

علمائے اہلسنت، حجّاج کرام اور سُنّی حضرات کے ساتھ اعلٰحضرت کا برتاؤ کس قسم کا ہوتا تھا، اِس سلسلے میں مولانا بدرالدین احمد مدظلہٗ نے یُوں وضاحت کی ہے:

"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے مضمون کے مطابق جس قدر کافروں، مرتدوں، ملحدوں اور بے دینوں پر سخت تھے یُونہی سُنّی مسلمانوں اور علمائے حق کے لیے ابرِ کرم تھے۔ جب کسی سُنّی عالِم سے ملاقات ہوتی، دیکھ کر

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلٰحضرت، ص ۲۰۱

باغ باغ ہو جاتے اور اُس کی ایسی عزّت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے کو نہ سمجھتا۔ جب کوئی صاحب حجِ بیت اللہ شریف کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اُن سے پہلے یہی پُوچھتے کہ سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں بھی حاضری دی؟ اگر وُہ ہاں کہتے تو فوراً اُن کے قدم چُوم لیتے اور اگر کہتے کہ نہیں تو پھر اُن کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے۔" [1]

امام احمد رضا خاں بریلوی کو اگر تیسرے میدان میں دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ سُنّتِ رسول کے آپ حد درجہ متبع اور محبوب کی رضا جوئی میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ عرب وعجم کے ممتاز اہلِ علم اور باکمال حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرّہٗ جیسا ماحیِ سنت اور قاطعِ بدعت اُس دَور میں کوئی دیکھا نہیں گیا۔ اتباعِ سنّت آپ کی فطرتِ ثانیہ بن گیا تھا۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ مبتدعینِ زمانہ جن کی جماعتیں تک بدعت اور برٹش گورنمنٹ کے عہد کی زندہ یادگار ہیں اور جو کفریہ بدعات تک کے مرتکب ومعتقد ہیں وُہ فاضلِ بریلوی جیسے متبعِ سنّت اور دشمنِ بدعت پر نہ صرف بدعتی بلکہ سرچشمۂ بدعات ہونے کا الزام لگا کر حقیقتِ حال سے بے خبر مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اِس طرح اپنے اکابر کی بے راہروی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے کیسے کیسے بزرگوں پر بہتان بازی اور الزام تراشی کا بازار گرم کیے رکھتے ہیں۔ ذیل میں اعلٰحضرت کے اہتمامِ شریعت واتباعِ سنّت کے چند واقعات اور آپ کے معمولات پیش کیے جاتے ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ: اِس سلسلے میں سیّد ایوب علی رضوی کا بیان ملاحظہ ہو:

"اعلٰحضرت تندرست ہوں یا بیمار، پانچوں وقت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے خُوگر تھے اور اپنے مریدوں کو بھی ہمیشہ اِس امر کی خاص ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ جماعت کا مقررہ وقت ہو جانے پر کسی کا انتظار نہ کرتے تھے موسمِ گرما میں نماز ذرا دیر کر کے پڑھتے لیکن ایسا نہیں کہ مکروہ وقت آجائے

---

[1] بدرالدین احمد، مولانا: سوانح اعلٰحضرت، ص ۱۹۶

نماز ادا کرتے وقت رکوع، سجود، قومہ، قعدہ اور جلسہ وغیرہ کی صحیح ادائیگی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ حروف کو اُن کے مخارج سے صفاتِ لازمہ و مُحسّنہ کے ساتھ ادا کرنے میں بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ کوئی صاحب ظہر کی چار سُنّتیں پڑھ کر فارغ ہُوئے تو آپ نے اُن کو اپنے پاس بُلایا اور فرمایا کہ آپ کی ایک رکعت بھی نہیں ہُوئی۔ کیونکہ سجدہ کرتے وقت آپ کی ناک زمین سے علیحدہ رہی نیز پَیروں کی انگلیوں میں سے کسی ایک کا پیٹ زمین سے نہیں لگا تھا کہ کم از کم فرض تو ادا ہو جاتا، واجبات وسنن و مستحبات تو علیحدہ رہے۔ آپ سنتیں پھر پڑھیے اور ہمیشہ اِس بات کا خیال رکھیے کہ ناک کی ہڈی، جس کو بانسا کہتے ہیں (اپنی ناک پر انگلی رکھ کر بتایا) یہ اور پَیروں کی کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگا رہنا چاہیے ورنہ اگر کوئی شخص نوح علیہ السّلام کی برابر بھی عمر پائے اور اِسی طرح نمازیں پڑھتا رہے گا، تو یاد رکھیے کہ وُہ سب اکارت ہی جائیں گی۔

میں نے اعلٰحضرت کو اکثر اوقات سفید لباس میں ہی ملبوس دیکھا تھا۔ پاجامہ بڑے پائنچہ کا پہنتے تھے۔ نماز کے وقت ہمیشہ پگڑی سر پر رکھتے تھے اور فرض تو بغیر پگڑی کے کبھی ادا نہیں کیے۔ ایک دفعہ عشرہ محرم الحرام کے دنوں میں ایک صاحب بعد نمازِ جمعہ اعلٰحضرت کے پھاٹک میں تشریف فرما تھے۔ اُن کے سر پر سیاہ ٹوپی تھی۔ اعلٰحضرت نے اُنھیں دیکھا تو اپنے دولت خانہ سے سفید ٹوپی منگوا کر اُن کو دیتے ہُوئے فرمایا کہ اِسے اوڑھ لیجیے اور سیاہ ٹوپی اتار دیجیے کہ اِس میں عزاداروں سے مشابہت کا شبہ ہے۔ ایک ولیِ کامل اور مجددِ وقت کی ٹوپی ملنے پر حاضرین کو اُن صاحب کے مقدّر پر رشک آرہا تھا۔

ایک دفعہ اعلٰحضرت سخت بیمار تھے۔ نشست و برخاست کی بالکل طاقت نہ تھی۔ اِس کے باوجود فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔

انتظام یہ تھا کہ کُرسی میں لکڑی باندھ کر چار آدمی آپ کو مسجد میں لے جاتے اور بعد نماز دولت خانہ میں پہنچا دیتے۔ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اِس نازک حالت میں بھی آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے، طاقت نہ دیکھتے ہُوئے مجبورًا بیٹھ کر پڑھنی پڑتی، لیکن ایسی حالت میں بھی دونوں پیروں کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگانے کی بیحد سعی فرماتے۔ ملخصًا[1]

احترامِ مساجد: ہر مسجد خدا کا گھر، عبادت کا مقام اور شعائر اللّٰہ میں شامل ہے۔ شعائر اللّٰہ کا احترام تقوٰی کی نشانی ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی مسجد کے چھوٹے چھوٹے آداب کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ سیّد ایّوب علی رضوی مرحوم نے بعض چشم دید حالات یُوں بیان کیے ہیں:

"نمازِ جمعہ کے لیے اعلٰحضرت رحمۃ اللّٰہ علیہ جس وقت تشریف لاتے[2] تو فرشِ مسجد پر قدم رکھتے ہی تقدیمِ سلام فرماتے۔ اِسی طرح مسجد کے جس درجہ میں ورود ہوتا جاتا آپ سلام کی تقدیم کرتے۔ اِس بات کی بھی آنکھیں شاہد ہیں کہ مسجد کے ہر درجہ میں وسطی در سے داخل ہُوا کرتے خواہ آس پاس کے دروں سے داخل ہونے میں سہولت ہی کیوں نہ ہو۔ نیز بعض اوقات اوراد و وظائف مسجد میں ہی بحالتِ خرام شمالًا جنوبًا پڑھا کرتے مگر منتہائے فرشِ مسجد سے واپس ہمیشہ قبلہ رُو ہو کر ہی ہوتے، قبلہ کی طرف پشت کرتے ہُوئے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔"[3]

مسجد کے آداب میں داخل ہے کہ اندر داخل ہوتے وقت دایاں قدم رکھا جائے اور مسجد سے جاتے وقت پہلے بایاں قدم باہر رکھنا چاہیے۔ سیّد ایّوب علی رضوی کی زبانی امام اہلسنّت کا عمل ملاحظہ فرمائیے:

"ایک دفعہ فریضۂ فجر ادا کرنے میں خلافِ معمول کسی قدر دیر ہوگئی۔ نمازیوں کی نظریں بار بار کاشانۂ اقدس کی طرف اُٹھ رہی تھیں کہ اِسی اثناء میں آپ جلدی جلدی تشریف لاتے ہُوئے دکھائی دیے۔ اُس وقت برادرم سیّد قناعت علی نے

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلٰحضرت، ص
[2] رضوی صاحب نے غور نہیں فرمایا، مسجدیں اللّٰہ کا گھر ہیں۔ یہاں ہر بڑے سے بڑا حاضر ہوتا ہے تشریف لانا چہ معنی دارد؟

اپنا یہ خیال مجھ پر ظاہر کیا کہ اِس تنگ وقت میں دیکھنا یہ ہے کہ حضرت دایاں قدم مسجد میں پہلے رکھتے ہیں یا بایاں؛ لیکن قربان جائیں اِس عاشقِ رسول اور متبعِ سنّت کے، کہ دروازۂ مسجد کے زینے پر جس وقت قدم مبارک رکھا تو دایاں، توسیعی فرشِ مسجد پر قدم پہلے رکھا تو دایاں، قدیمی فرشِ مسجد پر بھی دایاں قدم پہلے رکھا، یونہی ہر صف پر تقدیم دائیں قدم ہی سے فرمائی، حتیٰ کہ محراب میں مصلّے پر دایاں قدم ہی پہلے پہنچا۔" [1]

آدابِ مسجد کے سلسلے میں سیّد ایوب علی رضوی کا ایک چشم دید واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے:

"ایک صاحب جنھیں نواب صاحب کہا جاتا تھا، مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور کھڑے کھڑے بے پروائی سے اپنی چھڑی مسجد کے فرش پر گرا دی، جس کی آواز حاضرینِ مسجد نے سُنی۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا: نواب صاحب مسجد میں زور سے قدم رکھ کر چلنا بھی منع ہے، پھر کہاں چھڑی کو اِتنے زور سے ڈالنا؛ نواب صاحب نے میرے سامنے عہد کیا کہ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" [2]

شعائر اللہ کی تعظیم و توقیر قرآنی اصطلاح میں دِلی تقویٰ کی نشانی ہے۔ آیئے دیکھیں تو سہی کہ مجدّد مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ مسجد کا ادب و احترام کہاں تک ملحوظ رکھتے تھے۔ علّامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"ایک مرتبہ سیّدی امام احمد رضا خاں مسجد میں معتکف تھے۔ سردی کا موسم تھا اور دیر سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ حضرت کو نمازِ عشاء کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی۔ پانی تو موجود تھا لیکن بارش سے بچاؤ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں وضو کر لیا جاتا، کیونکہ مسجد میں مستعمل پانی کا ایک قطرہ تک گرانا بھی جائز نہیں ہے آخر کار مجبور ہو کر مسجد کے اندر ہی لحاف اور گدّے کی چار تہ کر کے اُن پر وضو

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۱۷۷

۲ ...

کر لیا اور ایک قطرہ تک فرشِ مسجد پر گرنے نہیں دیا۔ سردیوں کی رات، جس میں طوفانِ باد و باراں کے اضافات، مگر خود اِتنی سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے رات گزار دی منظور کی لیکن ایسی دشواری میں بھی مسجد کی اِتنی سی بے حُرمتی برداشت نہ کی۔" [1]

کیا اِس درجہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھنے والا کوئی شخص آپ کی نظر سے گزرا ہے؛ عام طور پر تو یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ دینی تربیت گاہوں کے طلبہ اور اساتذہ تک بعض اوقات جماعت میں شامل ہونے کی خاطر، رکعت جاتی ہوئی دیکھ کر بھاگ دوڑ بھی لیتے ہیں اور اعضائے وضو کو پُونچھے بغیر مسجد کے فرش پر چل پھر لیتے ہیں حالانکہ اِس طرح مسجد کی صفیں مستعمل پانی سے گیلی ہوتی ہیں، وضو کرنے کے بعد پانی کے قطرے تک مسجد میں ٹپکتے رہتے ہیں، جبکہ یہ امور احترامِ مسجد کے خلاف ہیں۔ کاش! امام اہلسنّت کے معمولات سے مسلمان سبق حاصل کریں۔

نابالغ بہشتی: معلمین حضرات توجہ نہیں فرماتے اور نابالغ شاگردوں سے بغیر اُن کے والدین کی اجازت کے خدمت لیتے رہتے ہیں۔ اِس سلسلے میں سیّد رضا علی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے:

"اعلیٰحضرت کی زندگی میں احقر مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ حضرت کی مسجد کے کنوئیں پر ایک نابالغ بہشتی (سقہ) پانی بھر رہا تھا۔ میں نے جب لڑکے سے وضو کے لیے پانی مانگا تو اُس نے جواب دیا "مجھے پانی دینے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن بڑے مولوی صاحب (یعنی اعلیٰحضرت) نے مجھے کسی بھی نمازی کو پانی دینے سے منع فرما دیا ہے اور بتایا ہے کہ جو وضو کے لیے پانی مانگے اُس سے صاف صاف کہہ دینا کہ میرے بھرے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں نابالغ ہوں۔" [2]

مفتیِ آگرہ مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بانیِ حزب الاحناف لاہور کے ساتھ بھی

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۱۷۹

[2] ہفت روزہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ

ایسا ہی واقعہ پیش آیا، جب وُہ پہلی یا دوسری دفعہ بریلی شریف حاضر ہُوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے:

"مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا دیدار علی صاحب الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لاتے، جماعت کا وقت تھا، مسجد کے کنوئیں پر ایک بہشتی کا لڑکا پانی بھر رہا تھا، جلدی کی وجہ سے اُسی لڑکے سے پانی طلب فرمایا۔ اُس نے کہا کہ مولانا! میرے بھرے ہُوئے پانی سے آپ کو وضو کرنا جائز نہیں اَور نہیں دیا۔ مولانا کو غصہ آیا اور فرمایا کہ ہم جب تجھ سے لے رہے ہیں تو کیوں جائز نہیں؟ اُس نے کہا کہ مجھے دینے کا اختیار نہیں، مَیں نابالغ ہُوں۔ مولانا کو اَور غصہ آیا، جماعت ہو رہی ہے اَور یہاں اَور دیر لگ رہی ہے۔ فرمایا: آخر تُو جہاں جہاں پانی دیتا ہے اُن کا وضو کیسے ہو جاتا ہے؟ اُس نے کہا، وُہ لوگ تو مجھ سے مول لیتے ہیں۔ اَور غصہ آیا مگر اُس نے نہیں دیا۔ آخر کار خود بھرا اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہُوتے۔ جب غصہ کم ہوا اور سلام پھیرا تو خیال آیا کہ وُہ بہشتی کا لڑکا از رُوئے فقہ صحیح کہتا تھا۔ دیدار علی! تم سے تو اعلحضرت کے یہاں کے خدمت گاروں کے بچے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ سب اعلحضرت کے اِتباعِ شریعت کا فیض ہے۔" [1]

والدہ کی رضا جوئی: ارشادِ خداوندی کسے معلوم نہ ہوگا کہ والدین کے سامنے اُف بھی نہ کرو۔ فرمانِ مصطفوی ہے کہ جنّت تمہاری ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ یعنی اُن کی خدمت کر کے جنّت حاصل کرلو۔ عملی اور زبانی میدان میں بڑا فرق ہے۔ آیئے ذرا امام احمد رضا خاں کا طرزِ عمل دیکھیں۔ منقول ہے:

"حضرت شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب کا بیان ہے کہ جب مولانا (اعلحضرت کے) والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) کا انتقال ہُوا۔

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلحضرت، ص ۱۸۰

اعلحضرت اپنے حصّۂ جائداد کے خُود مالک تھے مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا، وہ پوری مالکہ و متصرفہ تھیں، جس طرح چاہتیں صَرف کرتیں۔ جب مولانا کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت بتاتے۔ وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو تب ہی منگواتے۔" [1]

غربا پروری: امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ خاندانی رئیس اور صاحبِ جائداد تھے۔ آپ نے یتیموں، بیواؤں اور دیگر غرباء و مساکین کے ماہوار وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ سائلوں اور ناداروں کے لیے آپ کا دروازہ ہر وقت کُھلا رہتا تھا۔ دُور دُور تک حاجت مندوں کی حاجت روائی فرمایا کرتے۔ موسم سرما کے شروع میں ہمیشہ ناداروں میں رضائیاں تقسیم کرنا آپ کا معمول تھا۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

"موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب (اعلحضرت کے برادرِ خورد، مولانا محمد رضا خاں صاحب) قدس سرہ نے اعلحضرت کی خدمت میں ایک فرد پیش کی۔ اعلحضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ سردیوں میں رضائیاں تیار کروا کر غربا میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اُس وقت تک سب رضائیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ایک صاحب نے اعلحضرت سے رضائی کی درخواست کی تو آپ نے ننھے میاں صاحب والی وہی فرد اپنے اُوپر سے اتار کر اُسے عنایت فرما دی۔" [2]

اسی سلسلے میں ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے:

"جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا، بعد نماز مغرب اعلحضرت حسبِ معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رضائی نہیں ہے؟ میں خاموش ہو رہا۔

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلحضرت، ص ۴۲

[2] ایضاً: ص ۵۱

اُس وقت اعلیٰحضرت جو رزائی اوڑھے ہُوئے تھے وہ خادم کو دے کر فرمایا کہ
اِسے اوڑھ لیجیے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور فرمان مبارک
کی تعمیل کرتے ہُوئے وُہ رزائی اوڑھ لی۔" [1]

اِسی سلسلے میں مزید ایک واقعہ اور پیشِ خدمت ہے جو مذکورہ بالا واقعے کے بعد پیش آیا:
"اِس واقعے کے دو تین روز بعد اعلیٰحضرت کے لیے نئی رزائی تیار ہو کر آ گئی اُسے
اوڑھتے ہُوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک رات مسجد میں کوئی مسافر آیا
جس نے اعلیٰحضرت سے گزارش کی کہ میرے پاس اوڑھنے کے لیے کچھ نہیں ہے
آپ نے وُہ نئی رزائی اُس مسافر کو عطا فرما دی۔" [2]

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی سخاوت و غربا پروری گرد و نواح میں مشہور تھی۔ اِس
بارے میں آپ کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد مدظلہٗ یُوں رقمطراز ہیں:
"کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی امداد اور ضرورتمندوں
کی حاجت روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد
صرف مقامی لوگوں کیلئے ہی نہ تھی بلکہ بیرونجات میں بذریعۂ منی آرڈر امدادی رقم روانہ
فرمایا کرتے۔" [3]

دُور دراز کی امداد کے سلسلے میں ایک عجیب واقعہ پیشِ خدمت ہے:
"ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کیے لیکن اتفاق
ایسا ہُوا کہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے پاس اُس وقت ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔
اعلیٰحضرت نے بارگاہِ رسالت میں التجا کی کہ حضور! مَیں نے کچھ بندگانِ خدا کے
مہینے (ماہوار وظیفے) آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لیے ہیں،
اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر کر دیا گیا تو بروقت ہوائی ڈاک سے پہنچ جائیگا

[1] ظفر الدین بہاری، علامہ: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۵۰

[2] ایضاً، ص ۵۰

[3] بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، ص ۹۰

یہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ علی الصبح ایک سیٹھ صاحب حاضرِ بارگاہ
ہُوئے اور مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ذریعے مبلغ اکاون روپے بطور
نذرانۂ عقیدت حاضرِ خدمت کیے۔ جب مولوی صاحب موصوف نے اکاون روپے
اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں جا کر پیش کیے تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور
مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا، ارشاد ہُوا یہ یقیناً سرکاری عطیہ ہے۔ اِس لیے
کہ اکاون روپے کے کوئی معنی نہیں سوائے اِس کے کہ پچاس بھیجنے کے لیے
فیسِ منی آرڈر بھی تو چاہیے۔ چنانچہ اُسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاکخانہ
کھلتے ہی منی آرڈر روانہ کر دیا گیا۔" [1]

امام احمد رضا خاں بریلوی کی سخاوت کا یہ سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اِدھر آیا اور اُدھر مصارفِ ضروریہ
اور غربا میں تقسیم ہو گیا۔ بعض اوقات تو حوائجِ ضروریہ کے لیے ایک پیسہ تک پلّے نہیں رہتا تھا،
حالانکہ صاحبِ جائداد اور خاندانی رئیس تھے۔ سخاوت کی انتہا معلوم کرنے کی غرض سے مجددِ مائۃ حاضرہ
قدس سرہٗ کے اوّلین سوانح نگار اور آپ کے خلیفۂ ارشد ملک العلماء، علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ
کا حیرت انگیز انکشاف ملاحظہ ہو:
"ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر تقسیم کرتے ہُوئے فرمایا کہ کبھی میں نے ایک پیسہ زکوٰۃ
کا نہیں دیا۔ اور یہ بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ حضور پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہُوئی تھی۔
زکوٰۃ فرض تو جب ہو کہ مقدار نصاب اُن کے پاس سال تمام تک رہے اور
یہاں تو یہ حال تھا کہ ایک طرف سے آیا، دُوسری طرف گیا۔" [2]

امام اہلسنت نے اِس عدیم المثال طریقے پر غربا پروری کا کام جاری رکھا۔ جو کچھ حاصل ہُوا، عمر بھر
یتیموں، بیواؤں، اپاہجوں، مسکینوں اور ناداروں پر لُٹاتے رہے۔ حوائجِ ضروریہ، خدمت و
اشاعتِ دین اور مہمان نوازی کے بعد جو کچھ تھا سب غریبوں کے لیے تھا۔ دمِ واپسیں بھی

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۵۲

آپ نے غریبوں کو فراموش نہیں کیا بلکہ فقراء کے بارے میں اپنے عزیز واقارب کو یُوں وصیّت فرماتے ہیں:

"فاتحہ کے کھانے سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے صرف فقراء کو دیں اور وُہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ جھڑک کر۔ غرض کوئی بات خلافِ سنّت نہ ہو.... اعزہ سے اگر بطیبِ خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار اِن اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دُودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دُودھ کا ہو، مُرغ کی بریانی، مُرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فرنی، اُرد کی پھریری دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یُوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو، مگر بطیبِ خاطر، میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔" [1]

ایک وہ نام نہاد مصلح، پیر اَور عالمِ دین ہیں جن کی نگاہیں دُوسروں کی جیبوں پر ہوتی ہیں اور ایک اعلحضرت ہیں کہ عمر بھر غریبوں کی سرپرستی کرتے رہے اور آخری وقت بھی اپنے گھر سے اِتنے لذیذ اور بیش قیمت کھانے غریبوں کو کھلاتے رہنے کی وصیّت فرما رہے ہیں۔ یہ ہے غرباء و مساکین سے ہمدردی کا حقیقی جذبہ اور یہ ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ پر عمل کر کے دکھانا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی جاتی ہے کہ میرے کہنے پر مجبور نہ ہونا بلکہ غریبوں کا حق سمجھ کر اُنھیں کھلانا پلانا۔ ساتھ ہی اُنھیں حقیر سمجھ کر جھڑکنا نہیں ہوگا بلکہ مہمانوں کی طرح خاطر داری اور اعزاز و اکرام کے ساتھ کھلانا چاہیے۔ ؎

جس کو غمِ جہاں میں بھی یاد رہے غمِ بیکساں
میری طرف سے ہمنشیں، جا کر اُسے سلام دے

اسلامی مساوات: مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، سب برابر ہیں۔ غریب اور امیر ہیں، گورے اور کالے ہیں، بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہاں محمود اور ایاز

برابر ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے سب یکساں ہیں، ہاں عزّت و فضیلت کا معیار باری تعالیٰ شانہٗ کی نظر میں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ہے۔ یعنی جو خدا سے بہت ہی ڈرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزّت والا ہے۔ اِس کے برعکس غربت و امارت یا افسری و ماتحتی کے لحاظ سے ذلّت یا عزّت کا معیار قائم کرنا سراسر غلط اور لغو ہے۔ شعب و قبائل کا فرق صرف پہچان کے لیے ہے اور امیر و غریب، شاہ و گدا کا امتیاز تنظیمِ کاروبارِ جہاں کی خاطر حکمتِ الٰہیہ ہے۔ ایک مزدور اگر متقی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فاسق حکمران سے زیادہ عزّت والا ہے۔ اِسی طرح ایک نیکوکار غریب و مسکین آدمی اُس مالدار سے بہتر ہے جو بدکار یا بے راہرو ہو۔ جو دولت، امارت، عہدہ یا علم کی بدولت خود کو دوسروں پر ترجیح دے اپنے آپ کو اَوروں سے بالا سمجھے دُوسروں کو اپنے سے گھٹیا جانے وہ اسلامی اخوت و مساوات سے نا آشنا اور متکبّر ہے حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ یُوں ہے: لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ یعنی تم خود کو پاکباز مت ٹھہراؤ جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکباز بناتا ہے۔ اِس سلسلے میں اعلحضرت کا عمل یہ تھا:

"ایک صاحب.... خدمت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ اعلحضرت بھی کبھی کبھی اُن کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اُن کے یہاں تشریف فرما تھے کہ اُن کے محلّے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہُوئی پُرانی چارپائی پر، جو صحن کے کنارے پر پڑی تھی، جھجکتے ہُوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحبِ خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اُس کی طرف دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکاتے اُٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحبِ خانہ کی اِس مغرورانہ روِش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں۔

کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ حضور نے اپنی چارپائی پر جگہ دی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اِتنے میں کریم بخش حجام، حضور کا خط بنانے کے لیے آئے۔ وُہ اِس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش! کھڑے کیوں ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اُن صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔

وُہ بیٹھ گئے۔ پھر تو اُن صاحب کے غصّہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اُٹھ کر چلے گئے، پھر کبھی نہ آئے۔ خلافِ معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلٰحضرت نے فرمایا کہ اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: میں بھی ایسے متکبّر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔"[1]

احادیث پر یقین : یُوں تو لاکھوں علماء موجود ہیں جو احادیث پر کمال یقین کے مدعی ہونگے لیکن امامِ اہلسنّت کی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ پر یقین کی شان ملاحظہ ہو، خود فرماتے ہیں:

"میرے پاس اِن عملیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں لیکن بحمداللہ آج تک کبھی اِس طرف خیال بھی نہ کیا، ہمیشہ اُن دُعاؤں پر جو احادیث میں ارشاد ہُوئیں عمل کیا، میری تو تمام مشکلات اِنھیں سے حل ہوتی رہتی ہیں۔"[2]

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں جب آپ والدین کریمین کے ساتھ پہلی مرتبہ حجِ بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کے شرف سے مشرف ہُوئے تو واپسی میں بوقتِ طوفان اِسی یقین کا عجیب منظر سامنے آیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"پہلی بار کی حاضری والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہ رکاب تھی۔ اُس وقت مجھے تئیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دِن طوفان شدید رہا تھا۔ اُس کی تفصیل میں بہت طُول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لیے تھے۔ حضرتِ والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر، اُن کی تسکین کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی، جس حدیث میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہُوئی ہے، میں نے وُہ دُعا پڑھ لی تھی، لہٰذا حدیث کے

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلٰحضرت، ص ۴۰

[2] مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظاتِ اعلٰحضرت، جلد دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۲

وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا، پھر قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہُوا اور معاً حدیث یاد آئی مَنْ یَّتَاَلَّ عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہُ حضرتِ عزّت کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔ الحمدُللہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدّت چل رہی تھی دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔"[1]

اِسی سلسلے میں ایک سبق آموز واقعہ امامِ اہلسنّت کے معمولات سے اور ملاحظہ فرمایئے۔ یہ واقعہ علّامہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے سامنے پیش آیا، نوبت کہاں تک پہنچی اعلیٰحضرت کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایئے:

"اُسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اِتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ مشکل سے تھوڑا دُودھ حلق سے اتارتا تھا اور اِسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کرسکتا تھا، یہاں تک کہ قرأت سرّیہ بھی میسّر نہ تھی۔ سُنّتوں میں بھی کسی کی اقتدا کرتا۔ اُس وقت مذہبِ حنفی میں عدمِ جوازِ قرأت خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہُوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا، لکھ دیتا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔

میرے منجھلے بھائی مرحوم (یعنی مولانا حسن رضا خاں) ایک طبیب کو لائے، اُن دنوں بریلی میں مرضِ طاعون بشدّت تھا۔ اُن صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا، یہ وہی ہے، وہی ہے۔ یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا اِس لیے اُنھیں جواب نہ دے سکا، حالانکہ مَیں خوب جانتا تھا، یہ غلط کہہ رہے ہیں کہ مجھے طاعون ہے اور نہ اِنشاءاللہ العزیز کبھی ہو گا، اِس لیے کہ مَیں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دُعا پڑھ لی ہے جسے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھے گا، اُس بَلا سے محفوظ رہے گا۔ وُہ دُعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ

[1] مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظاتِ اعلٰحضرت، جلد دوم، ص ۲، ۳

بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔ جن جن امراض کے مریضوں، جِن جِن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر مَیں نے اِسے پڑھا، الحمدُ للہ کہ آج تک اُن سب سے محفوظ ہوں اور بعونہٖ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔

البتہ ایک بار اِسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوبِ چشم ہوجایا کرتا تھا۔ بوجہ حدّتِ مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگئی اور رامپور جاتے ہوئے ایک شخص کو دردِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دُعا پڑھی، جب سے اب تک آشوبِ چشم پھر نہیں ہُوا۔ اُسی زمانہ میں صرف دو مرتبہ ایسا ہُوا کہ ایک آنکھ کچھ دبتی معلوم ہُوئی، دو چار دن بعد وُہ صاف ہوگئی۔ دُوسری دبی وُہ بھی صاف ہوگئی مگر درد، کھٹک، سُرخی کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث ہے: تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو۔ زکام[۱] کہ اُس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کھجلی[۲] (خارش) کہ اُس سے امراضِ جلدیہ جذام وغیرہ کا انسداد ہوتا ہے۔ آشوبِ[۳] چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے۔"[۱]

اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی پر امامِ اہلسنّت قدّس سرّہٗ کو کس درجہ یقین تھا، اِس سلسلے میں بعض واقعات ملاحظہ فرمائیے، ایک ایمان افروز واقعہ اور پیشِ خدمت ہے:

"جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں بعض مہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ باریک خط کی کتابیں شبانہ روز علی الاتصال دیکھنا ہُوا۔ گرمی کا موسم تھا، دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا۔ اٹھائیسواں سال تھا، آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدّتِ گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا، سر پہ پانی پڑتے ہی معلوم ہُوا کہ کوئی چیز سر سے داہنی آنکھ میں اُتر آئی۔

[۱] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۹۱، ۹۲

بائیں آنکھ بند کرکے داہنی سے دیکھا تو اوسطِ شئی مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا۔ اُس کے نیچے شئی کا جتنا حصّہ ہُوا وُہ ناصاف اور دبا ہُوا معلوم ہوتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر اُس زمانہ میں علاجِ چشم میں بہت سربرآوردہ تھا۔ سینڈرسن یا انڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاد جناب مرزا غلام قادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار فرمایا کہ اُسے آنکھ دکھائی جائے۔ علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار رہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کہ کثرتِ کتاب بینی سے کچھ یبوست آگئی ہے، پندرہ دن کتاب نہ دیکھیے۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سیّد مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے، فرمایا: مقدمۂ نزولِ آب ہے۔ بیس برس بعد (خدا ناکردہ) پانی اُتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزولِ آب والے کو دیکھ کر وہی دُعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک پر مطمئن ہوگیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہُوا۔ کہا چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اُتر آئے گا۔ اِن کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ اُنھوں نے بیس برس بعد کہے تھے، اِنھوں نے سولہ برس بعد چار برس کہے۔ مجھے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وُہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذاللہ متزلزل ہوتا۔ الحمدُ للہ بیس[۲۰] درکنار تینتیس[۳۰] برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وُہ حلقہ ذرّہ بھر نہ بڑھا، نہ بعونہٖ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ مَیں نے کتب بینی میں کبھی کمی کی، نہ کمی کروں۔ یہ مَیں نے اِس لیے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہلِ ایمان مشاہدہ کریں گے۔"[۱]

[۱] ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۹۲، ۹۳

مسلمان کرنا: عام طور پر یہی کیا جاتا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم کسی مسلمان پر اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ وُہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اُسے کسی عالمِ دین کے پاس لے جایا جاتا ہے۔ اِس میں کئی گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں حالانکہ جو مسلمان بھی کسی غیر مسلم کے ایسے ارادے پر مطلع ہو اُس پر فرض ہے کہ اُسی وقت اُسے کلمۂ شہادت پڑھائے اور اگر ہو سکے تو اتنا کہلوا دے کہ "اللہ ایک ہے اور عبادت کے لائق صرف اُسی کی ذات ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے سچّے اور آخری رسول ہیں"۔ اِس کے بعد کسی عالمِ دین کے پاس سے جا کر اعلانِ عام کے ساتھ مسلمان کرواتے۔ امامِ اہلسنت کی زندگی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

"جناب سیّد ایوب علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک روز ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا کلمہ پڑھوا دیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ حضور نے بلا تاخیر و تساہل .... غیر مسلم کو پڑھنے کا اشارہ کرتے ہُوئے یہ الفاظ تلقین فرماتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اللہ ایک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کے سچّے رسول ہیں، مَیں اُن پر ایمان لایا۔ میرا دین مسلمانوں کا دین ہے۔ اِس کے سوا جتنے معبود ہیں سب جھُوٹے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کی پُوجا نہیں ہے۔ جِلانے والا ایک اللہ ہے۔ مارنے والا ایک اللہ ہے۔ پانی برسانے والا ایک اللہ ہے۔ روزی دینے والا ایک اللہ ہے۔ سچّا دین ایک اسلام ہے، اور جتنے دین ہیں سب جھُوٹے ہیں۔

اِس کے بعد مقراض (قینچی) سے سر کی چوٹی کاٹی اور کٹورے میں پانی منگوا کر تھوڑا سا خود پیا، باقی اُسے دیا اور اُس سے جو بچا وہ حاضرین مسلمانوں نے تھوڑا تھوڑا پیا۔ اِسلامی نام عبد اللہ رکھا گیا۔ بعدہٗ جو صاحب لے کر آئے تھے اُنھیں فہمائش کی کہ جس وقت کوئی اسلام میں آنے کو کہے، فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہیے کہ اگر کچھ بھی دیر کی تو گویا اُتنی دیر اُس کے کفر پر رہنے کی

معاذ اللہ رضا مندی ہے۔ آپ کو کلمہ پڑھوا دینا چاہیے تھا، اُس کے بعد یہاں لاتے یا اور کہیں لے جاتے۔ اُن صاحب نے یہ سُن کر دست بستہ عرض کیا کہ حضور! مجھے یہ بات معلوم نہ تھی۔ مَیں توبہ کرتا ہُوں۔ حضور نے فرمایا: اللہ معاف کرے، کلمہ پڑھ لیجیے۔ اُنھوں نے کلمہ پڑھا اور سلام کر کے چلے گئے۔"[1]

اخلاقِ جلالی: خود ساختہ تہذیب کے علمبردار اور صلح کلیت کے پجاریوں نے جس چیز کا نام تہذیب اور اخلاقِ حسنہ رکھا ہُوا ہے کہ خدا اور رسول (جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گستاخوں اور مسلمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے، سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیا جائے کیونکہ سب مسلمان ہیں اور سارے بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایسے حضرات کے نزدیک خواہ کتنا ہی قابلِ تعریف طرزِ عمل ہو لیکن اسلامی تہذیب ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ طریقِ کار اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کے خلاف ہے۔ آیئے امام احمد رضا خاں بریلوی کا اخلاق ملاحظہ ہو:

"آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ و رسول جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آتے۔ خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ جس سے ایک بار کلام فرمایا اُس کے دِل کو گرویدہ بنا لیا۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی۔ ہمیشہ حلم سے کام لیا، لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا نے عصر کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حیدر آباد دکن سے ایک رافضی صرف آپ کی زیارت کے لیے آیا ہے اور ابھی حاضرِ خدمت ہوگا۔ تالیفِ قلب کے لیے اُس سے بات چیت کر لیجیے گا۔

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۲۲۰، ۲۲۱

دورانِ گفتگو ہی میں وُہ رافضی بھی آگیا۔ حاضرینِ مجلس کا بیان ہے کہ اعلیٰحضرت اُس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہُوتے یہاں تک کہ ننھے میاں صاحب نے اُس کو کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وُہ بیٹھ گیا۔ اعلیٰحضرت کے گفتگو نہ فرمانے سے اُس کو بھی کچھ بولنے کی جراُت نہ ہُوئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے اعلیٰحضرت کو سُناتے ہُوتے کہا کہ اِتنی دُور سے وُہ صرف ملاقات کے لیے آیا تھا، اخلاقاً توجّہ فرما لینے میں کیا حرج تھا؟

حضور اعلیٰحضرت نے جلال کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ میرے اکابر پیشواؤں نے مُجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر آپ نے بیان فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف سے تشریف لا رہے ہیں۔ راہ میں ایک مسافر ملتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ مَیں بھُوکا ہُوں۔ آپ ساتھ چلنے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ وُہ پیچھے پیچھے کاشانۂ اقدس تک پہنچتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو کھانا لانے کے لیے حکم دیتے ہیں۔ خادم کھانا لاتا ہے اور دستر خوان بچھا کر سامنے رکھتا ہے۔ کھانا کھانے میں وُہ مسافر بدمذہبی کے کچھ الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو حکم فرماتے ہیں کہ کھانا اس کے سامنے سے فوراً اٹھاؤ اور اُس کا کان پکڑ کر باہر کر دو۔ خادم اُسی دم حکم بجا لاتا ہے۔ خود حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوا دیا اُخْرُجْ یَا فُلَانُ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ۔ اے فلاں مسجد سے نکل جا، اِس لیے کہ تُو منافق ہے۔" [1]

سونے کا انداز: شرابِ محبت سے مخمور رہنے والوں کے طور طریقے دُوسروں سے کچھ نرالے ہی ہوتے ہیں۔ اعلیٰحضرت کے سونے کا طریقہ علّامہ بدر الدین احمد صاحب نے یُوں رقم فرمایا ہے:

---

[1] بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، ص ۹۳، ۹۴

"آپ کے خادم کا بیان ہے کہ اعلیٰحضرت ۲۴ گھنٹے میں صرف ڈیڑھ دُو گھنٹے آرام فرماتے اور باقی تمام وقت تصنیف وکتب بینی اور دیگر خدماتِ دینیہ میں صرف فرماتے اور ہمیشہ بشکلِ نامِ اقدس محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سویا کرتے۔ اِس طرح کہ دونوں ہاتھ مِلا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے جس سے سر میم، کہنیاں ح، کمر میم، پاؤں دال بن کر گویا نام پاک محمّد کا نقشہ بن جاتا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔" [1]

علّامہ محمد صابر نسیم بستوی نے اِس سلسلے میں یُوں وضاحت فرمائی ہے:

"جب آپ آرام فرماتے تو داہنی کروٹ، اِس طرح پر کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھ لیتے اور پائے مبارک سمیٹ لیتے۔ کبھی کبھی خدّام ہاتھ پاؤں دابنے بیٹھ جاتے اور عرض کرتے: حضور! دن بھر کام کرتے کرتے تھک گئے ہوں گے، ذرا پائے مبارک دراز فرما لیں تو ہم درد نکال دیں۔ اِس کے جواب میں فرماتے کہ پاؤں تو قبر کے اندر پھیلیں گے۔ ایک عرصہ تک آپ کے اِس ہیئت پر آرام فرمانے کا مقصد معلوم نہیں ہُوا اور نہ آپ سے پُوچھنے کی کوئی ہمّت ہی کر سکا۔" [2]

آخر کار امام اہلسنّت قدس سرّہٗ کے اِس طرح سونے کا راز اعلیٰحضرت کے خلفِ اکبر، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر فرمایا کہ سوتے وقت یہ فنا فی الرسول اپنے جسم کو اِس طرح ترکیب دے کر سوتے ہیں کہ لفظ محمّد بن جاتا ہے۔ اگر اسی حالت میں پیغامِ اجل آجائے تو زہے نصیب ورنہ دوسرا فائدہ تو حاصل، وَھُوَ ھٰذَا:

"اِس طرح سونے سے فائدہ یہ ہے کہ ستّر ہزار فرشتے رات بھر اِس نام مبارک کے گرد درود شریف پڑھتے ہیں اور وُہ اِس طرح سونے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔" [3]

---

[1] بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، ص ۹۱

[2] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: مجددِ اسلام، ص ۸۶، ۸۷

[3] ایضاً: ص ۸۷

سوتے وقت جب آپ دونوں ہاتھوں کو ملا کر سر کے نیچے رکھتے تو انگلیوں کا انداز عجیب ہوتا۔ انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کے وسط پر رکھتے اور باقی انگلیاں اپنی اصلی حالت پر رہتیں۔ اِس طرح انگلیوں سے لفظ اللہ بن جاتا۔ گویا سوتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اللہ اور جسم سے محمد لکھ کر سوتے۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آپ کی اِن والہانہ اداؤں کے پیشِ نظر ہی تو کہا تھا کہ : ؎

نامِ خدا ہے ہاتھ میں، نامِ نبی ہے ذات میں
مُہرِ غلامی ہے پڑی، لکھے ہُوئے ہیں نام دو

چاندی کی کرسی: ریاست رام پور میں اِس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، جو اِس طرح منقول ہے:

"چنانچہ نواب صاحب نے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلایا اور حضور اپنے خسرِ جناب شیخ تفضل حسین کے ہمراہ رام پور تشریف لے گئے۔ جس وقت آپ نواب کے یہاں پہنچے اور نواب صاحب نے آپ کی زیارت کی تو بہت متعجب ہُوئے لیکن آپ کے علمی جاہ و جلال کے قائل ہو چکے تھے، اِس لیے آپ کے انتہائی اعزاز و اکرام میں چاندی کی کُرسی پیش کی۔ آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ مرد کے لیے چاندی کا استعمال حرام ہے۔ اِس جواب سے نواب صاحب کچھ خفیف ہُوئے اور آپ کو اپنے پلنگ پر جگہ دی اور آپ سے غایت لُطف و محبت سے باتیں کرنے لگے۔" [1]

نواب صاحب کس طرح اعلیٰحضرت کے علمی جاہ و جلال کے قائل ہُوئے اور کیوں آپ کی زیارت کا شوق پیدا ہُوا؟ اِس کا سبب ایک فتویٰ ہے۔ اُس فتوے کا واقعہ اِس طرح منقول ہے:

"حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کا نام سُن کر ایک صاحب رام پور سے اُن کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

[1] محمد صابر نسیم بستوی؛ مولانا؛ مجددِ اسلام، ص ۲۵

فتویٰ پیش کیا، جس پر بہت سے علمائے کرام کی مُہریں اور دستخط تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ کمرے میں مولوی صاحب ہیں، اُن کو دے دیجیے جواب لکھ دیں گے۔ وُہ صاحب کمرے میں گئے اور واپس آ کر عرض کیا کہ کمرے میں مولوی صاحب نہیں ہیں۔ فقط ایک صاحبزادے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اُنھیں کو دے دیجیے، وہ لکھ دیں گے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت! میں تو آپ کا شُہرہ سُن کر آیا ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ آجکل وُہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں، اُنھیں کو دے دیجیے۔ بالآخر اُن صاحب نے اعلیٰحضرت کو فتویٰ دے دیا۔

حضور نے جو اُس فتویٰ کو ملاحظہ فرمایا تو جواب درست نہ تھا۔ آپ نے اُس جواب کے خلاف جوبات حق تھی لکھ کر والد ماجد صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اِنھوں نے اُس کی تصدیق فرما دی۔ وُہ صاحب اُس فتویٰ کو لے کر رامپور پہنچے اور نواب رامپور نے اُسے از اوّل تا آخر دیکھا، تو مجیب اوّل مولانا ارشاد حسین صاحب کو بُلایا۔ آپ تشریف لائے تو وہ فتویٰ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے حق گوئی و صدق پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں وہی جواب صحیح ہے جو بریلی شریف سے آیا ہے۔ نواب صاحب نے کہا: پھر اِتنے علماء نے آپ کے جواب کی تصدیق کس طرح کر دی؟ مولانا نے فرمایا کہ تصدیق کرنے والے حضرات نے مجھ پر میری شہرت کی وجہ سے اعتماد کیا ورنہ حق وہی ہے جو اُنھوں نے لکھا ہے۔ اِس واقعہ سے پھر یہ معلوم کر کے کہ اعلیٰحضرت کی عمر اُنیس بیس سال کی ہے، نواب صاحب متحیّر رہ گئے اور اُن کو آپ کی ملاقات کا شوق پیدا ہُوا۔" [1]

یہ واقعہ حیاتِ اعلیٰحضرت کے صفحہ ۱۳۲ پر بھی مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم سے منقول ہے۔ لیکن معلوم نہیں مفتی صاحب نے کس مصلحت کے تحت اُس وقت

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا؛ مجددِ اسلام، ص ۳۴، ۳۵

امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی عمر کا چودھواں سال بتایا حالانکہ اُس وقت آپ کی عمر کم از کم انیسؔ بیسؔ سال تھی جیسا کہ علاّمہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ نے صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵ پر تصریح فرمائی ہے۔ یہ واقعہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی شادی کے بعد پیش آیا کیونکہ اعلیٰحضرت کو اُن کے خسر صاحب کے ذریعے بلوایا گیا تھا اور شادی آپ کی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۵ء میں ہوئی اور اُس وقت آپ کی عمر انیسؔ سال تھی۔ چاندی کی کُرسی پیش کرنے کا مفتی اعجاز ولی خاں صاحب نے بھی اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔

داہنا ہاتھ : اکثر حضرات داہنے اور بائیں ہاتھ کے کاموں کا فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ امامِ اہلسنّت نے اِس بارے میں عملی طور پر مسلمانوں کو اِن کا دائرۂ کار بتایا، چنانچہ اِس سلسلے میں منقول ہے :

”ناک صاف کرنے اور استنجا فرمانے کے سِوا آپ کے ہر کام کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، اُس کے پیچ سیدھی (دائیں) جانب ہوتے اور اُس کی بندش اِس طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں بندش اور داہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔“ [1]

اِس سلسلے میں علاّمہ بدرالدین احمد صاحب نے اعلیٰحضرت کے طرزِ عمل کی یُوں وضاحت فرمائی ہے :

”اگر کسی کو کوئی چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فوراً دست مبارک روک لیتے اور فرماتے کہ داہنے ہاتھ میں لو، بائیں ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ بسم اللہ شریف کا عدد ۷۸۶، لکھنے کا عام دستور یہ ہے کہ پہلے ۷ لکھتے ہیں پھر ۸، اس کے بعد ۶ لکھتے ہیں لیکن آپ پہلے ۶ پھر ۸ تب ۷ تحریر فرماتے یعنی اعداد کو بھی داہنی جانب سے لکھتے۔“ [2]

---

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا : مجدّدِ اسلام، ص ۸۹

[2] بدرالدین احمد، مولانا : سوانح اعلیٰحضرت، ص ۹۲

بعض مبارک عادتیں : کہنا تو بہت آسان ہے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اور مستحسن عادات و اطوار کا خُوگر بننا خدا کے برگزیدہ بندوں ہی سے مخصوص ہے۔ اعلیٰحضرت کی بعض عادتیں ملاحظہ ہوں :

”بشکلِ نام اقدس (محمّد) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استراحت فرمانا، ٹھٹھا نہ لگانا، جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لینا اور کوئی آواز نہ ہونا، کُلّی کرتے وقت دستِ چپ رِیشِ مبارکہ پر رکھ کر، خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا، قبلہ کی طرف رُخ کر کے کبھی نہ تھوکنا، نہ قبلہ کی طرف پائے مبارک دراز کرنا، نمازِ پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا، فرض نماز باعمامہ پڑھنا، بغیرِ صوف پڑی دوات سے نفرت کرنا، یونہی لوہے کے قلم سے اجتناب کرنا، خط بنواتے وقت اپنا کنگھا شیشہ استعمال فرمانا، مسواک کرنا، سر مبارک میں چنبیلی ڈلوانا۔“ [1]

مشاغل : آج تو علمائے کرام کی زندگیوں میں بھی رنگینی پیدا ہو گئی۔ بعض تو ایسے بھی ہیں جنھیں درس و تدریس اور خطابت کے بعد تقریر فروشی سے اِتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ساری زندگی میں ایک دو کتابیں لکھ جائیں۔ امامِ اہلسنّت کے مشاغل ملاحظہ ہوں، کیا اُن کے ہاں تقریر یا فتویٰ یا تعویذ فروشی بھٹکی بھی تھی؟ دِن رات اُن کا مشغلہ تصنیف و تالیف، فتویٰ نویسی اور خدمتِ دین تھا اور یہ سب کچھ لوجہِ اللہ تھا۔ علاّمہ بدرالدین احمد نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے مشاغل کا تذکرہ یُوں کیا ہے :

”تصنیف و تالیف، کُتب بینی، فتویٰ نویسی اور اَوراد و اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں حاضر ہوتے اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا فرمایا کرتے اور باوجودیکہ بے حد حارّ مزاج تھے مگر کیسی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے،

---

[1] ظفرالدین بہاری، مولانا : حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۲۸

خصوصاً فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کُرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔" [1]

غذا: اعلٰحضرت عظیم البرکت ایک طرف تو ہمہ وقت تصنیف و تالیف اور فتوٰی نویسی و کتب بینی میں مشغول رہتے اور دوسری طرف ضعیف الجثہ تھے، یہی وجہ ہے کہ صاحبِ حیثیت اور رئیس ہونے کے باوجود آپ کی خوراک محض اتنی تھی جو صرف زندہ رہنے کے لیے بمشکل کافی ہو سکے۔ مثلاً:

"آپ کی غذا نہایت ہی قلیل تھی۔ ایک پیالی بکری کے گوشت کا شوربا بالغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ اور وُہ بھی روز روز نہیں، بلکہ بسا اوقات اِس میں بھی ناغہ ہو جاتا تھا۔" [2]

علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی عام غذا کے بارے میں یُوں وضاحت فرمائی ہے:

"اعلٰحضرت قدس سرہٗ العزیز کی عام غذا روٹی، چکّی کے پِسے ہوئے آٹے کی اور بکری کا قورمہ تھا۔" [3]

ملفوظات شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خوراک ایک چپاتی تھی، اِسی طرح ایک دو بسکٹ اور ایک پیالی شوربا برائے نام خوراک ہی تو ہے، اِس پر بھی ناغوں کا طرّہ۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کی غذا ملاحظہ ہو:

"مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ..... اعلٰحضرت بعد افطار پان نوش فرماتے، شام کو کھانا کھاتے مَیں نے کسی دن نہیں دیکھا۔ سحر کو صرف ایک چھوٹے سے پیالے میں فرینی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی، وُہ نوش فرمایا کرتے۔ ایک دن مَیں نے دریافت کیا کہ حضور! فرینی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا، نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنّت ہے، اس لیے

[1] بدر الدین احمد، مولانا: سوانح اعلٰحضرت، ص ۹۱، ۹۲

[2] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: مجدد اسلام، ص ۸۶

[3] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلٰحضرت، ص ۹۰

یہ چٹنی آتی ہے۔" [1]

خدمتِ اسلام کی دُھن: وُہ بھی علمائے کرام ہیں جنھیں اپنی ہر تصنیف میں کثرتِ مشاغل اور بیجا مصروفیات کا تذکرہ کرنا اِس لیے ضروری ہوتا ہے کہ اگر یہ رکاوٹ نہ ہوتی تو وُہ موضوعِ کتاب پر تحقیقات کے دریا بہا دیتے۔ تقریر کے لیے (اگر کرائے پر نہ آئے ہوں) مخلصین و محبّین کھینچ کر لے آئیں تو خطبہ کے بعد ہی مصرع طرح یہ ہو گا کہ طبیعت انتہائی ناساز ہے محض فلاں ابن فلاں صاحب کے پاسِ خاطر سے آنا پڑ گیا لیکن ایک امامِ اہلسنّت کی ذاتِ گرامی ہے کہ جسمانی لحاظ سے نحیف و ناتواں، ساری عمر امراضِ مزمنہ کے شکار رہے، درد گردہ چودہ سال کی عمر سے لاحق، سر درد دائمی اور بخار تو گویا سفر و حضر میں رفیقِ زندگی یا راحتِ جان تھا۔ اِس کے باوجود اُس نابغۂ عصر کی دینی خدمات کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔ ثبوت کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

"میرے (مولوی محمد حسین میرٹھی کے) بریلی قیام کے زمانہ میں حضرت کا ماء الجبن ہوا جس میں بیس مسہل ہوتے ہیں، مگر کام (تصنیف و تالیف کا) برابر جاری رہا۔ عزیزوں نے یہ دیکھ کر منع کیا مگر نہ مانے۔ اُنھوں نے طبیب صاحب سے کہا کہ مسہل کے دن بھی برابر لکھتے ہیں اور قریباً بیس مسہل ہوں گے، آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ طبیب صاحب نے بہت سمجھایا تو یہ ارشاد فرمایا: اچھا مسہل کے دن میں خود نہیں لکھوں گا، دُوسروں سے لکھوا دیا کروں گا اور غیر مسہل کے دن مَیں خود لکھوں گا۔ طبیب صاحب نے کہا کہ اس کو غنیمت سمجھو۔

اُس کا یہ انتظام کیا گیا کہ ایک مکان میں چند الماریاں لگا کر اُن میں کتابیں رکھ دی گئیں۔ مسہل کے دن حضرت اُس مکان میں تشریف لے گئے اور ساتھ صرف میں تھا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب جو فتوٰی لکھانا ہوتا اُس کا کچھ مضمون لکھا کر مجھ سے فرماتے کہ الماری میں سے فلاں جلد نکال لو۔ اکثر کتابیں مصری

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۴۱

ٹائپ کی کئی کئی جلدوں میں تھیں۔ مجھ سے فرماتے اتنے صفحے کوٹ لو اور فلاں صفحہ پر اتنی سطروں کے بعد یہ مضمون شروع ہوا ہے اُسے نقل کر دو۔ میں وہ فقرہ دیکھ کر پورا مضمون لکھتا اور سخت متحیر تھا کہ وہ کون سا وقت ملا تھا کہ جس میں صفحہ اور سطر گن کر رکھے گئے تھے۔ غرضیکہ اُن کا حافظہ اور دماغی باتیں ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔" [1]

اپنی ذات پر فتویٰ : اِنسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ وُہ اپنے لیے ہر ممکن آسانی کا متلاشی رہتا ہے۔ گنجائش اور رعایت کا پہلو تلاش کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھتا لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نہ صرف خود کو احکامِ شرع کا پابند ہی بناتے ہیں بلکہ وُہ رخصت کی جگہ عزیمت اور فتویٰ کی جگہ تقویٰ اختیار کر کے مواخذے سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ امام اہلسنّت کی عزیمت کا حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمائیے :

"جب ۱۳۳۹ھ کا ماہِ رمضان شریف، مئی جون ۱۹۲۱ء میں پڑا اور مسلسل علالت وضعفِ فراواں کے باعث اعلیٰحضرت نے اپنے اندر امسال کے موسمِ گرما میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائی تو اپنے حق میں فتویٰ دیا کہ پہاڑ پر سردی ہوتی ہے، وہاں روزہ رکھنا ممکن ہے، لہٰذا روزہ رکھنے کے لیے وہاں جانا استطاعت کی وجہ سے فرض ہو گیا۔ پھر آپ روزہ رکھنے کے ارادے سے کوہ بھوالی ضلع نینی تال تشریف لے گئے۔" [2]

دنیا سے بے رغبتی : ایک وُہ حضرات ہیں جو مسلمانوں کے پیشوا کہلانے کے مدعی ہیں، لیکن دنیا کمانے کی خاطر بعض برٹش گورنمنٹ کے ایوانِ حکومت کے سامنے سجدہ ریز رہے تو دُوسرے گاندھوی بُت خانے پر، لیکن امام اہلسنّت کے خلوص وللّہیت کا اندازہ وہ سعید ہستیاں کر سکتی ہیں جو خود اِن صفات سے متصف ہوں۔ چنانچہ سیف الاسلام دہلوی نے اعلیٰحضرت

[1] ظفر الدین بہاری، علّامہ : حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۳۷، ۳۸

[2] بدر الدین احمد، مولانا : سوانح اعلیٰحضرت، ص ۲۸۴، ۲۸۵

علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھا ہے :

"میں نے سوداگری محلّے کے کئی بزرگوں سے سُنا کہ نظام حیدر آباد دکن نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں تو آپ (اعلیٰحضرت) نے جواب دیا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہُوا وقت صرف اُسی کی اطاعت کے لیے ہے میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں؟" [1]

اعلیٰحضرت تو پھر اعلیٰحضرت ہیں، آپ کے خلفِ اکبر حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں موصوف نے یُوں وضاحت فرمائی ہے :

"اُن کے صاحبزادے حضرت مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ جن سے مجھ کو چند دن فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، بڑے حسین وجمیل، بڑے عالم اور بے انتہا خوش اخلاق تھے۔ اُن کی خدمت میں بھی نظام حیدر آباد نے دار الافتاء کی نظامت کی درخواست کی اور اِس سلسلہ میں کافی دولت کا لالچ دلایا، تو آپ نے فرمایا کہ میں جس دروازۂ خدائے کریم کا فقیر ہُوں، میرے لیے وہی کافی ہے۔" [2]

اِسی قسم کا واقعہ نواب رامپور کے ساتھ پیش آیا، چنانچہ علّامہ بہاری مرحوم نے لکھا ہے کہ:

"ایک مرتبہ نواب رامپور نینی تال جا رہے تھے۔ اسپیشل بریلی شریف پہنچے تو حضرت شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار کے نوٹ ریاست کے مدار المہام کی معرفت بطور نذر اسٹیشن سے حضور کی خدمت میں بھیجے اور والیٔ ریاست کی جانب سے مستدعی ہوتے ہیں کہ ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حضور کو مدار المہام صاحب کے آنے کی خبر ہُوئی تو اندر سے دروازہ کی چوکھٹ پہ کھڑے کھڑے مدار المہام صاحب سے فرمایا کہ میاں کو میرا سلام عرض کیجیے گا اور یہ کہیے گا، یہ اُلٹی

[1] منور حسین سیف الاسلام، مولانا : تصویت الایمان، ص ۶۹

[2] ایضاً

نذر کیسی؛ مجھے میاں کی خدمت میں نذر پیش کرنا چاہیے نہ کہ میاں مجھے نذر دیں - یہ ڈیڑھ ہزار ہوں یا جتنے ہوں واپس لے جائیے، فقیر کا مکان نہ اِس قابل کہ کسی والیِ ریاست کو بُلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔“ ۱؎

جناب سیف الاسلام صاحب نے اِس سلسلے میں ایک واقعہ اور نقل کیا ہے جو یہ ہے:

”نواب حامد علی خاں صاحب مرحوم کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار اُنھوں نے اعلیٰحضرت کو لکھا کہ حضور رامپور تشریف لائیں تو میں بہت ہی خوش ہُوں گا۔ اگر یہ ممکن ہو تو مجھی کو زیارت کا موقع دیجیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ چونکہ آپ صحابہ کبار رضوان علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور اُن کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعادات میں معاون ہیں، لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہُوں نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہُوں۔“ ۲؎

اہلِ محلّہ پر اثر: بعض حضرات وُہ بھی ہیں جو آسمانِ علم کے نیّرِ تاباں ہونے کے مدّعی ہیں لیکن ماحول تو درکنار خود اُن کے گھر والے غیر اسلامی رنگ میں رنگے ہُوئے نظر آتے ہیں۔ امام اہلسنت چونکہ سنّت کے زبردست پیروکار تھے اور دُوسرے مسلمانوں کو بھی اِسی رنگ میں رنگا ہُوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اعلیٰحضرت کے محلّے کا رنگ ملاحظہ ہو:

”ایک علامت تو اُن کی بزرگی کی یہ بہت ہی روشن تھی کہ میں (منور حسین سیف الاسلام صاحب) غالباً سات برس متواتر اعلیٰحضرت کے محلّہ میں رہا مگر کہیں سے مجھ کو باجے گاجے اور شبِ برات وغیرہ کے دن پٹاخوں کی آواز نہیں آئی، نہ میں نے کبھی آٹھ نو سال کی بچّی کو بے پردہ دیکھا۔ محلّہ میں ایسا معلوم ہوتا کہ سب رہنے والے متقی اور نہایت ہی پابندِ شرع ہیں۔

۱؎ ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰحضرت، ص ۱۹۲

۲؎ منور حسین سیف الاسلام، مولانا: تصویت الایمان، ص ۷۰

چھوٹے چھوٹے بچّوں سے ماں بہن کی گالی نہیں سُنی۔ جب بچّے کبھی ایک دوسرے سے لڑتے تو ہاتھا پائی بھی نہ کرتے، نہ گالیاں ہی دیتے۔ ہاں اُن کی بڑی سے بڑی گالی بے دین، بدعقیدہ، وہابی، چکڑالوی، دیو بندی، غیر مقلد، نیچری اور ندوی وغیرہ تھی۔ شادی بیاہ، بچّوں کی پیدائش یا خوشی کے موقع پر بھی گھروں سے لڑکیوں یا عورتوں کے گانے، ڈھولک بجانے تک کی آواز نہیں سُنی۔ ایسی طرح موت کے موقع پر بھی محلّے کی عورتیں اُتنی ہی آواز سے روتی ہوں گی جو دروازے کے باہر نہ جاسکے۔ غرض یہ ہے کہ سوداگری محلّے میں کسی گھر کی شادی غمی کی خبر لوگوں کو اطلاع دینے پر ہی ہوتی تھی۔ آتش بازی اور تاشہ یا دُوسرے بیہودہ مشغلے بھی سوداگری محلّہ میں، مَیں نے نہیں دیکھے۔“ ۱؎

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

سلام کا جواب: آجکل تو سلام کرنے اور جواب دینے میں کتنی ہی جدّتیں پیدا ہو چکی ہیں جن کا رات دن مشاہدہ عام ہو رہا ہے۔ نمائشی اور فرشی سلام کا بھی خوب زور ہے لیکن چونکہ تذکرہ امامِ اہلسنّت کا ہے لہٰذا یہاں مسنون سلام کے بارے میں آپ کے بچپن کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے:

”ایک روز مولوی صاحب موصوف حسبِ معمول بچّوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچّے نے سلام کیا، مولوی صاحب نے جواب دیا ”جیتے رہو۔“ اِس پر حضور (اعلیٰحضرت) نے عرض کیا کہ یہ تو سلام کا جواب نہ ہُوا، وَعَلَیْکُمُ السَّلَام کہنا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب سُن کر بہت خوش ہُوئے اور بہت دُعائیں دیں۔“ ۲؎

احوط کا اختیار کرنا: شروع ایّام میں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کو اکثر آشوبِ چشم کی شکایت

۱؎ منور حسین سیف الاسلام، مولانا: تصویت الایمان، ص ۶۷

۲؎ ظفر الدین بہاری، علّامہ: حیات اعلیٰحضرت، ص ۳۴

ہو جایا کرتی تھی۔ ایسی حالت میں جو پانی آنکھوں سے بہتا ہے وہ ظاہر مذہب میں قطعاً ناقضِ وضو نہیں ہے لیکن بعض فقہا نے چونکہ اس کا ایک گونہ برعکس بھی لکھا ہے، اگرچہ وہ دلائل کے اعتبار سے قابلِ تسلیم نہیں اور ہمارے ائمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے لیکن تقویٰ کا مقام چونکہ فتویٰ سے بھی آگے ہے، لہٰذا اس سلسلے میں مجدد مأتہ حاضرہ علیہ الرحمہ کا اپنا عمل ملاحظہ ہو:

"ایک بار آپ کی آنکھیں دُکھنے آگئی تھیں۔ اس حال میں مسجد کی حاضری کے وقت متعدد بار ایسا ہوتا کہ کبھی نماز سے قبل اور کبھی نماز کے بعد کسی شخص کو اپنے قریب بلا کر فرماتے: دیکھیے تو آنکھ کے حلقہ سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز دُہرانی پڑے گی۔" [1]

آخری تحریر: شانِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے اس نگہبان کی آخری تحریر حمدِ الٰہی و درودِ پاک ہے چنانچہ علامہ بدر الدین احمد نے امام اہلسنّت کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی ہے

"آپ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ جمعہ مبارکہ کو وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پیشتر تجہیز و تکفین وغیرہ سے متعلق ضروری وصایا، جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے، قلمبند کرائے اور آخر میں بارہ بجکر اکیس منٹ پر خود دستِ اقدس سے حمد و درود شریف کے مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے: واللّٰہ شھید وله الحمد وصلی اللّٰہ تعالیٰ وبارك وسلم علی شفیع المذنبین وآله الطیبین وصحبه المکرمین وابنه وحزبه الی ابد الآبدین آمین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔" [2]

اصلی اور جعلی حنفی کی پہچان: بزرگانِ دین نے اپنے اپنے دور میں اُن زمانوں کی مخصوص گمراہیوں کے پیشِ نظر، کلمہ گویوں میں سے اہلِ حق و اہلِ باطل میں تمیز کرنے کے مختلف طریقے بتائے۔ زمانۂ حال کے مبتدعین میں سے اکثر تو اُن کے مخصوص عقائد و نظریات اور

---

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: مجددِ اسلام، ص ۷۷

اقوال و افعال کی وجہ سے پہچان لیے جاتے ہیں لیکن جعلی حنفیوں کا جال اتنا پُرفریب اور غیر محسوس ہے کہ عوام الناس اُس کو سمجھنے سے قاصر ہو کر رہ گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے ظاہری تقدس، دین کے نام سے بھاگ دوڑ، دعویٰ حنفیت، احناف کی مسلّمہ کتابوں سے استناد، اہلسنّت کے اکابر کی بزرگی کو مسلّم رکھنے اور پیری مریدی تک کے نہ صرف قائل بلکہ اس پر عامل نظر آنے کی بنا پر عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر یہ حنفی کیوں نہیں اور اِن کے اہلسنّت و جماعت میں ہونے سے کیا چیز مانع ہے؟ لیکن اُن بیچاروں کو کیا معلوم کہ اتنے قریب ہو کر مسلمانوں کے دین و ایمان کو برباد کرنے کا یہ کاروبار کتنا پُرفریب ہے؟ اسلام کی اصل بنیاد عقائد پر ہے اور عقائد میں توحید و رسالت کے صحیح تصورات کو مرکزی پوزیشن حاصل ہے لیکن اِن حضرات نے توحید و رسالت کی حدود ایسی متعین کی ہیں جو اسلام کے بتائے ہوئے تصورات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن بانکے موحّدوں کو ساری اُمتِ محمدیہ شرک کے سمندر میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ اِن کی توحید ذوالخویصرہ، خوارج، داؤد ظاہری، ابنِ حزم، ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسمٰعیل دہلوی کی بتائی ہوئی بلکہ گھڑی ہوئی توحید تو ہو سکتی ہے لیکن اسلامی توحید ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اِن موحّدوں کی پہچان کا علمائے اہلسنّت نے آسان ترین طریقہ بتایا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

"جب حضرت مولانا (علامہ قادر بخش سہسرامی مرحوم) بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! سُنّی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کے ذریعے ہم لوگ بھی سُنّی اور وہابی کو پہچان سکیں۔ کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ مولانا سہسرامی نے فرمایا کہ ایسا آسان، عُمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اُس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ لوگ جب کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں کہ سُنّی ہے یا وہابی؛ تو اُس کے سامنے اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجیے اور اُس کے چہرے کو بغور دیکھیے، اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دکھائی پڑیں تو سمجھ لیجیے کہ سُنّی ہے اور اگر چہرے پر پژمُردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھ جائیے کہ وہابی ہے۔ اور اگر وہابی نہیں جب بھی اُس میں

کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔" [1]

یہ کیوں نہ ہو؛ جبکہ مجدد کی آمد کا مقصد ہی دین میں تازگی پیدا کرنا اور حق و باطل کو واضح کر دینا ہے ؎

اُسی نے دین کی تجدید کا جھنڈا اُٹھایا تھا
نشانِ حقّانیت کا جس کو مالک نے بنایا تھا

اگرچہ نفسِ نقش کا ملاحظہ کیا جائے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی کو محبوب کے دشمنوں، گستاخوں اور مبتدعینِ زمانہ سے کتنی نفرت تھی تو اِس کا واضح ثبوت آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ اگر سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں اور آپ کے لائے ہُوئے دین میں کتر بیونت کر کے گمراہیوں کا بیج بونے والوں سے آپ کسی قسم کی رعایت کے روادار ہوتے تو آپ کے متعلق مبتدعین کی صفوں میں یہ طوفان بدتمیزی کیوں پایا جاتا جو آج بھی پوری شدت سے تلاطم خیز ہے۔ آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی پیوند کاری کرنیوالوں کو ٹوکا، سمجھایا بجھایا، خوفِ خدا و خطرۂ روزِ جزا یاد دلایا، جب وُہ کسی طرح باز نہ آئے تو تنِ تنہا سب کا محاسبہ کیا، تقریر و تحریر کے ہر میدان میں اُنھیں للکارا، ہر مقام پر اُنھیں ساکت و مبہوت کیا، باطل کو مغلوب اور حق کو غالب کر دکھایا اور چراغِ مصطفوی کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی خاطر جس رنگ میں بھی بُولہبی آئی آپ نے اُس کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔ علّامہ بدرالدین احمد لکھتے ہیں:

"آج دنیا میں مشرکین و کفّار، مرتدین اشرار، گمراہانِ فجّار کا کوئی ایک بھی ایسا فرقہ نہیں ہے جس کے ردّ میں اعلیٰحضرت کی متعدد تصنیفات نہ ہوں۔۔۔ بدمذہبوں کی جس قدر فتنہ گر پارٹیاں ہیں اُن سب کے خود ساختہ اصول اور باطل اعتقادات کو اُنھیں کے مسلّمات اُنھیں کے گھڑے ہُوئے قواعد سے، اِس طرح توڑ پھوڑ کر اُن کے دُھوئیں اڑا دیے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد اُن کا کوئی ایک ذرّہ سلامت نہیں ملتا۔" [2]

---

[1] بدرالدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، ص ۹۳

[2] ایضاً

محبوبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی شان میں جن لوگوں نے عالمانِ دین کا لبادہ اوڑھ کر ایسے ایسے گزرے اور نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کی کبھی کُھلے کافروں، غیر مسلموں کو بھی جرأت نہیں ہُوئی تھی تو اِس علمبردارِ شانِ مصطفوی نے از راہِ خیر خواہی مسلمانوں کو یُوں سمجھایا اور اِن لفظوں میں اُن علماء کے شر سے بچنے کی تلقین کی:

"لِلّٰہ انصاف، اگر کوئی تمھارے ماں باپ استاد پیر کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے، شائع کرے، کیا تم اُس کا ساتھ دوگے؟ یا اُس کی بات بنانے کو تاویلیں گھڑوگے؟ یا اُس کے بکنے سے بے پرواہی کر کے اُس سے بدستور صاف رہوگے؟ نہیں نہیں، اگر تم میں ایمانی غیرت، انسانی حمیّت، ماں باپ کی عزّت حرمت عظمت محبت کا نام نشان بھی لگا رہ گیا ہے تو اُس بدگو، دشنامی کی صورت سے نفرت کروگے، اُس کے سایہ سے دُور بھاگوگے، اُس کا نام سُن کر غیظ لاؤگے، جو اُس کے لیے بناوٹیں گھڑے اُس کے بھی دُشمن ہو جاؤگے۔

پھر خدا کے لیے ماں باپ کو ایک پلّے میں رکھو اور اللہ واحد قہّار و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت و عظمت کو دوسرے پلّے میں۔ اگر مسلمان ہو، تو ماں باپ کی عزّت کو اللہ و رسول کی عزّت سے کچھ نسبت نہ مانوگے۔ ماں باپ کی محبّت و حمایت کو اللہ و رسول کی محبّت و خدمت کے آگے ناچیز جانوگے۔ تو واجب واجب، لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ اُن کے بدگو سے وُہ نفرت و دُوری و غیظ و جُدائی ہو کہ ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اُس کا ہزارواں حصّہ نہ ہو۔" [1]

اِس خیر خواہِ اسلام و مسلمین نے بھولے بھالے مسلمانوں کو اُن لوگوں کے شر سے بچنے، اُن علماء سے دُور و نفور رہنے کی اِن لفظوں میں تلقین فرمائی جو اللہ اور رسول کی جناب میں گ۔۔۔ [illegible]

[illegible]

"ابھی قرآن و حدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمھارے باپ، تمھارے استاد، تمھارے پیر، تمھاری اولاد، تمھارے بھائی، تمھارے احباب، تمھارے بڑے، تمھارے اصحاب، تمھارے مولوی، تمھارے حافظ، تمھارے مفتی، تمھارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے اصلاً تمھارے قلب میں اُن کی عظمت، اُن کی محبت کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً اُن سے الگ ہو جاؤ، دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ اُن کی صورت، اُن کے نام سے نفرت کھاؤ۔ پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے، دوستی الفت کا پاس کرو، نہ اُن کی مولویت مشیخت بزرگی فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا، جب یہ شخص انھیں کی شان میں گستاخ ہوا، پھر ہمیں اُس سے کیا علاقہ رہا؟

اُس کے جُبّے عمامے پر کیا جائیں؟ کیا بہتیرے یہودی جُبّے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے؟ اُس کے نام علم و ظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہتیرے پادری، بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم و فنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اُس کی بات بنانی چاہی اُس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اُس سے دوستی نباہی، یا اُسے ہر بُرے سے بدتر بُرا نہ جانا، یا اُسے بُرا کہنے پر بُرا مانا، یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمھارے دل میں اُس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی، تو لِلّٰہ، اب تمھیں انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس

ہوئے؟ قرآن و حدیث نے جس پر حصولِ ایمان کا مدار رکھا تھا اُس سے کتنی دُور نکل گئے؟ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وُہ اُن کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اُس کا پیر یا اُستاد ہی کیوں نہ ہو۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں گے وُہ اُن کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا، اگرچہ اُس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔"[1]

قرآنی آیات پیش کر کے، خدا اور رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عظمت کا تصور دلا کر، ایمان کے تقاضے سمجھا کر، گستاخوں کے بارے میں مسلمانوں کو مزید یُوں فہمائش کی جاتی ہے:

"اِس آیت کریمہ میں صاف فرما دیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اُس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد ہُوا کہ جو اُس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اِس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمھارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمھیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اُس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اُس کی وقعت نہیں مان سکتے، ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔"[2]

امامِ اہلسنّت، مجددِ دین وملّت کی آخری محفل ہے۔ سفرِ آخرت کی تیاری ہو رہی ہے، [illegible] ملک کے کونے کونے سے عیادت کے لیے پہنچ رہے ہیں اِس موقع پر بھی مسلمانوں کو ذِئَابٌ فِیْ ثِیَابٍ کا بھروپ بھرنے والوں، رہبروں کے رُوپ میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے والوں سے یُوں آخری بار خبردار کیا جاتا ہے:

"اے لوگو! تم پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور

---

[1] احمد رضا خاں، امام: تمہید بآیاتِ قرآن، ص ۵، ۶

[2] ایضاً: ص ۶

بھیڑیئے تمھارے چاروں طرف ہیں۔ وُہ چاہتے ہیں کہ تمھیں بہکائیں ، تمھیں فتنہ میں ڈال دیں ، تمھیں اپنے ساتھ جہنّم میں لے جائیں ۔ اُن سے بچو اَور دُور بھاگو۔ دیوبندی، رافضی، نیچری، قادیانی ، چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیئے ہیں، تمھارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربُّ العزّت جلّ جلالہٗ کے نور ہیں، حضور سے صحابۂ کرام روشن ہُوئے ، صحابہ کرام سے تابعین عظام روشن ہُوتے، تابعین سے تبع تابعین روشن ہُوئے ، اُن سے ائمۂ مجتہدین روشن ہُوئے ، اُن سے ہم روشن ہُوئے۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں ، یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اِس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ وُہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچّی محبّت ، اُن کی تعظیم اَور اُن کے دوستوں کی خدمت اَور اُن کی تکریم اَور اُن کے دشمنوں سے سچّی عداوت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ ، پھر وُہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اُس سے جُدا ہوجاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو ، پھر وُہ تمھارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اُسے دُودھ سے مکھّی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

میں پونے چوّدہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اَور اِس وقت پھر یہی عرض کرتا ہُوں ، اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لیے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اَور تمھیں کیا بتاتے ؛ اِس لیے اِن باتوں کو خُوب سُن لو، حجۃ اللہ قائم ہوچکی ۔ اب مَیں قبر سے اُٹھ کر تمھارے پاس بتانے نہ آؤں گا ۔ جس نے اِسے سُنا اور مانا ، قیامت کے دن اُس کے لیے نور و نجات ہے اَور جس نے نہ مانا ، اُس کے لیے ظلمت و ہلاکت ہے ۔" [1]

محبوبِ پروردگار ، آقائے نامدار ، شفیع المذنبین ، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی

---

[1] حسنین رضا خاں ، مولانا : وصایا تشریف ، مطبوعہ لاہور

شان و عظمت کا یہ محافظ ، اُس درِ اقدس کا سچّا دربان ، اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ کی غلامی پر اِتنا نازاں تھا کہ اِس در کی غلامی پر تختِ جم اور دیہیم قیصر کو نثار کر رہا تھا ، اِس غلامی کو وُہ کسی بڑے سے بڑے دنیاوی اعزاز کے بدلے چھوڑنے پر رضامند نہیں تھا ! اِس در کی غلامی تو بڑی بات ہے وُہ محبوب کی دیوار کے سایے میں کھڑا ہونا اَور درِ اقدس کی خاک کو تاج و تخت سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں یُوں دُعائیں مانگتا تھا : ؎

سایۂ دیوار و خاکِ در ہو یا رب اَور رضاؔ
خواہشِ دیہیمِ قیصر ، شوقِ تختِ جم نہیں

گدائے درِ اولیاء

عبد الحکیم خاں اختر

مجدّدی مظہری شاہجہان پوری

لاہور

۲ر جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ

مطابق ۱۵ مئی ۱۹۷۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
جہاد بالسیف
جہاد بالنفس
جہاد بالقلم
کفر والحاد کے خلاف ہر محاذ پر قیامت تک جہاد جاری رہنا چاہیے
اِدارہ معارفِ نعمانیہ لاہور
مؤسسہ ۱۹۸۹ء
جہاد بالقلم جاری رکھے ہوئے ہے
آپ بھی ادارۂ معارفِ نعمانیہ کی رُکنیت اختیار فرما کر
اس جہاد میں شمولیت کا شرف حاصل کریں۔
فارم رُکنیت ادارہ معارفِ نعمانیہ ۳۲۳ شاد باغ لاہور
سے طلب فرمائیں۔

E-mail: rizvifoundation@hotmail.com